معارف

اگست ۲۰۱۸ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰؍روپئے۔ فی شمارہ ۲۵؍روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴؍روپئے
دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰؍روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰؍روپئے
ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰؍روپئے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI
196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN
LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN
Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916
Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org
Website: www.shibliacademy.org
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100
✆ (Office Mobile) 09170060782

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری؍منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر
دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۲ ماہ ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ماہ اگست ۲۰۱۸ء عدد ۲

فہرست مضامین

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

شذرات

گذشتہ دنوں ایک سیمینار میں شرکت کے لیے ملیشیا جانے کا اتفاق ہوا۔ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، کوالالمپور نے وقف کے موضوع پر ایک بین الاقوامی کانفرنس کا اہتمام کیا تھا۔ اس کا عنوان تھا "'History and Governance of Awqaf in South and Southeast Asia: Colonial Intervention and the Modern States". یہ سیمینار بنیادی طور پر IRCICA، استانبول کے تعاون سے منعقد کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے انعقاد میں جاپان کی Toyo Bunko اور کیرالہ کی Madin Academy کا تعاون بھی شامل تھا۔ IRCICA علم و تحقیق اور تہذیب و ثقافت کے میدان میں او۔ آئی۔ سی کے تحت کام کرنے والا سب سے اہم ادارہ ہے اور اس کی علمی خدمات کا دائرہ وسیع ہے۔ یہ سیمینار ۴۔۵ رجولائی کو یونیورسٹی کے سینٹ ہال میں منعقد ہوا۔ ہر لحاظ سے یہ ایک کامیاب سیمینار تھا۔ اس کی کامیابی ڈاکٹر ارشد اسلام اور ان کی ٹیم کی منظم اور انتھک کوشش اور محنت کا نتیجہ تھی۔ اس سیمینار میں ہندوستان، پاکستان، فلپائن، انڈونیشیا، ملیشیا، بنگلہ دیش، ترکی، جاپان اور زنجبار کے اسکالرس نے حصہ لیا اور اس میں تیس تحقیقی مقالے پیش کیے گئے۔ اوقاف کے نظم و انصرام میں استعماری مداخلت بھی موضوع کا ایک حصہ تھی۔ اس مناسبت سے راقم حروف نے برصغیر میں برطانوی حکومت کے ذریعہ وقف علی الاولاد کی معطلی کے خلاف علامہ شبلی کی قیادت میں چلائی جانے والی عدیم المثال تحریک پر کلیدی خطبہ پیش کیا۔ اس تحریک کے نتیجہ میں ۱۹۱۳ء میں حکومت نے ایک ایکٹ پاس کر کے اس سلسلہ میں مسلمانوں کے حق کو تسلیم کیا۔ اُن حالات میں یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ علامہ شبلی نے آخر عمر کے پانچ سال اس جدوجہد میں صرف کیے۔ ان کے عزم و حوصلہ نے اس تحریک کو برصغیر کے مسلمانوں کی اجتماعی آواز بنا دیا اور برطانوی حکومت کو اصلاح احوال کے لیے مجبور کر دیا۔ اس واقعہ پر اب سو سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اس حق کی بازیافت کے لیے برصغیر کے مسلمانوں نے علامہ شبلی کی قیادت میں جو عدیم المثال جدوجہد کی تھی اس سے اب کتنے لوگ واقف ہیں۔

ملیشیا میں آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ چینی نسل کے باشندے اور ہندو بھی وہاں معتدبہ تعداد میں آباد ہیں۔ یہ سب باہمی اعتماد اور خیر سگالی کے ماحول میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ملیشیا نے ۱۹۵۷ء میں برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کی۔ معاشی طور پر بدحالی کا شکار یہ ملک بیسویں صدی کے آخری دو عشروں میں انقلابی تبدیلیوں سے دوچار ہوا۔ ۱۹۸۱ء سے ۲۰۰۳ء کے مختصر عرصہ میں ڈاکٹر مہاتیر محمد کی قیادت میں ملیشیا بے مثال اقتصادی اور سیاسی استحکام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس مختصر مدت میں ملک کا نقشہ ہی بدل گیا۔ وہ ترقی پذیر ملکوں کے لیے ایک مثال اور ماڈل کے طور پر ابھر کر سامنے آیا اور عالمی برادری میں ایک باوقار مقام حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس کی تیز رفتار معاشی ترقی نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ ڈاکٹر مہاتیر محمد کی وزارت عظمیٰ کے یہ بائیس سال ملیشیا کی تاریخ میں ایک یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کو بجا طور پر نئے ملیشیا کا معمار تسلیم کیا جاتا ہے۔

اس اعتماد اور اطمینان کے ساتھ کہ ملک کی خدمت کا حق انہوں نے اپنی استطاعت کی حد تک ادا کر دیا ہے، ڈاکٹر مہاتیر ۲۰۰۳ء میں وزارت عظمیٰ سے دست کش ہو گئے اور نئی نسل کے لیے جگہ خالی کر دی۔ یہ ان کا اپنا فیصلہ تھا اور اس کے لیے وہ کسی طرح بھی مجبور نہیں تھے۔ یہ فیصلہ انہوں نے اس وقت کیا جب اقتدار پر ان کی گرفت مکمل تھی۔ سیاست کی دنیا میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ البتہ اہل نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں تھی کہ ملک کے مستقبل کے لیے انہوں نے جو منصوبہ بندی کی تھی اس میں انور ابراہیم کی عدم موجودگی ایک بڑے سوالیہ نشان کی حیثیت رکھتی تھی۔

انور ابراہیم ملیشیا کی تعمیر وترقی میں ڈاکٹر مہاتیر محمد کے دست راست رہے تھے۔ ان کی حکومت میں انہوں نے کئی اہم وزارتیں سنبھالیں اور بالآخر نائب وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ دسمبر ۱۹۹۳ء سے ستمبر ۱۹۹۸ء کے طویل عرصہ میں وہ ڈاکٹر مہاتیر محمد کے سب سے قریبی معتمد تھے اور انہوں نے اس اہم عہدہ کی ذمہ داریوں کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ اس دوران وزارت مالیات کا کلیدی عہدہ بھی ان کے پاس رہا۔ اس وقت ایشیا جس شدید مالی بحران سے دو چار تھا اس کے پیش نظر اس کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ دونوں لیڈروں کے درمیان پوری ہم آہنگی تھی۔ انور ابراہیم انتظامی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اپنے دینی مزاج اور فکر کے لیے بھی معروف تھے۔ انہیں ڈاکٹر مہاتیر محمد کا جانشین تصور کیا جاتا تھا اور عام طور پر یہ اطمینان محسوس کیا جاتا تھا کہ ملیشیا کی تعمیر وترقی کا جو غیر معمولی کام ان کی نگرانی میں شروع ہوا تھا وہ ان کے لائق جانشین کے عہد میں جاری رہے گا۔ بڑی حسرت سے یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ اگر ۲۰۰۳ء میں ڈاکٹر مہاتیر محمد نے عنان اقتدار انور ابراہیم کے ہاتھ میں دی ہوتی تو ملیشیا کی ترقی کا سفر بھی جاری رہا ہوتا اور وہ منصوبے اور پالیسیاں بھی باقی رہی ہوتیں جن کو انہوں نے شروع کیا تھا اور جو ملیشیا کی تعمیر وترقی کی ضامن تھیں اور ملک پندرہ سال کے طویل عرصہ پر محیط رجعت قہقری سے بچ گیا ہوتا لیکن سیاست کے معاملات بھی عجیب ہوتے ہیں۔ ان دونوں لیڈروں کی طویل رفاقت اور باہمی اعتماد اور یکجہتی شدید عناد اور عداوت میں بدل گئی۔ اس دردناک داستان کو بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ملیشیا کی بڑی بدقسمتی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو ملیشیا پندرہ سال پر محیط لاحاصل اور بے ثمر ماہ وسال سے بچ گیا ہوتا اور اس وقت ترقی کے بام عروج پر ہوتا۔ پہلے ان کو نائب وزیر اعظم کے عہدہ سے ہٹایا گیا اور پھر انہیں پارٹی سے بھی نکال دیا گیا۔ ۱۹۹۹ء میں ایسے الزامات کے تحت ان کو جیل میں ڈال دیا گیا جن کو دنیا بھر میں شک وشبہہ کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اس وقت سے مئی میں شاہی معافی ملنے تک ان کو خاصی مدت جیل میں گذارنی پڑی۔ جب بھی وہ باہر رہے ان الزامات سے اپنی برأت اور اپنی سیاسی بقا کی جنگ لڑتے رہے۔ ان کی عدم موجودگی میں ان کی بیگم ڈاکٹر وان عزیزہ نے نہ صرف نہایت کامیابی سے یہ جنگ لڑی بلکہ ملیشیا کی سیاسی زندگی میں ایک اہم مقام حاصل کرنے میں بھی کامیاب رہیں۔

انور ابراہیم کے بعد ڈاکٹر مہاتیر محمد نے عبداللہ احمد بداوی کو نائب وزیر اعظم مقرر کیا اور بعد میں ملک کی زمام اقتدار انہی کے سپرد کر دی اور خود وزارت عظمیٰ سے دست کش ہو گئے۔ ۲۰۰۳ء سے ۲۰۰۹ء تک بداوی نے وزیر اعظم کی حیثیت سے کام کیا لیکن ان سے وہ توقعات پوری نہ ہو سکیں جو ان کے ساتھ وابستہ کی گئی تھیں۔ اس کے بعد

ڈاکٹر مہا تیر ہی کے ایما پر نجیب رزاق کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا جن کی سیاسی تربیت انہی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ان کا عہد اقتدار مئی ۲۰۱۸ء تک رہا۔ یہ عہد ملیشیا کے لیے کسی سانحہ سے کم نہ تھا۔ترقی کی رفتار جو ڈاکٹر مہا تیر کے وزارت عظمیٰ سے سبک دوش ہونے کے بعد سست ہو چکی تھی نجیب رزاق کے عہد میں اس زوال کی رفتار بہت بڑھ گئی۔ نجیب رزاق خود سنگین مالی بدعنوانی میں ملوث ہوئے اوران کی قیادت میں پورا حکمراں ٹولہ اسی رنگ میں رنگ گیا۔ جو ملک ابھی کچھ دن ہی پہلے ایشین ٹائیگر کے طور پر ابھرا تھا اور اقتصادی اور سیاسی استحکام کی ایک مثال بن گیا تھا، کرپشن، بدانتظامی اور مالی عدم استحکام کی علامت بن گیا۔فطری طور پر ڈاکٹر مہا تیر اس صورت حال سے سخت آزردہ تھے لیکن اصلاحِ احوال کی ان کی تمام کوششیں نا کام ہو گئیں اور ملک کرپشن کی دلدل میں دھنستا چلا گیا۔

جدید ملیشیا کے معمار کی حیثیت سے بھی اور اس وجہ سے بھی کہ نجیب رزاق انہی کا انتخاب تھے اور انہی سے سیاسی تربیت حاصل کی تھی، ملک کی بگڑتی ہوئی صورت حال ڈاکٹر مہا تیر کے لیے نا قابل برداشت ہو گئی۔ ملک کو اس دلدل سے نکالنے کے لیے نجیب رزاق کی حکومت کا خاتمہ ضروری تھا،لیکن یہ کام آسان نہیں تھا۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئے بے اندازہ دولت کے ذریعہ نجیب رزاق نے حکمراں طبقے پر اپنی گرفت بہت مضبوط کرلی تھی۔ مالے قومیت کے افسوں کے زیر اثر ملیشیا کی اکثریتی آبادی بھی بہت حد تک ان کے سحر میں گرفتار تھی۔ نجیب رزاق کی حکومت ختم کرنے کی ایک ہی صورت تھی کہ انور ابراہیم کو اس مہم میں شریک کیا جائے جو تمام تر مصائب و مشکلات کے باوجود ملکی سطح پر موثر کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ان کی غیر موجودگی میں ان کی اہلیہ ڈاکٹر وان عزیزہ نہ صرف اچھی طرح عدالتوں میں ان کے خلاف مقدمات کی پیروی کرتی رہی تھیں بلکہ ملکی سیاست میں بھی ایک نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔لیکن یہ فیصلہ آسان نہیں تھا۔اس کے لیے غیر معمولی اخلاقی جرأت کی ضرورت تھی۔اہم بات یہ ہے کہ ڈاکٹر مہا تیر محمد اس امتحان میں پورے اترے۔اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ خود انور ابراہیم نے ماضی کی تمام تلخیوں کو فراموش کرتے ہوئے اوران تمام تکالیف اور اذیتوں کو نظر انداز کرتے جو ان کو ڈاکٹر مہا تیر کی وجہ سے پہنچی تھیں، ملک کے وسیع تر مفاد میں ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔ دونوں ہی قائدین کی طرف سے اس سلسلہ میں بڑی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ ہوا اور شخصی تحفظات سے اوپر اٹھ کر دونوں نے ایک مثال قائم کی۔اس اتحاد کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ نجیب رزاق کو اقتدار سے بے دخل کرنے کا منصوبہ بظاہر ایک ناممکن منصوبہ تھا لیکن وہ کامیابی سے ہم کنار ہوا۔ آزادی کے بعد پہلی بار حکمراں اتحاد شکست سے دو چار ہوا۔ ڈاکٹر مہا تیر محمد نے ۹۳ سال کی عمر میں ایک بار پھر بحیثیت وزیر اعظم زمام حکومت سنبھال چکے ہیں۔ ڈاکٹر وان عزیزہ ان کی نائب ہیں۔انور ابراہیم کو بادشاہ کی طرف سے معافی اور اس کے نتیجہ میں قید و بند سے رہائی مل چکی ہے۔ نجیب رزاق جیل میں ہیں اور ان کا احتساب شروع ہو چکا ہے۔ پندرہ سال کے طویل وقفہ کے بعد ملیشیا کی تعمیر و ترقی کا سفر پھر شروع ہو چکا ہے۔ کچھ دنوں بعد ڈاکٹر مہا تیر محمد وزارت عظمیٰ سے دست کش ہو جائیں گے اور انور ابراہیم ان کی جگہ عنانِ اقتدار سنبھال لیں گے۔ پہلے بھی یہی منصوبہ تھا۔ملک خوش ہے کہ دیر ہی سے سہی اس پر عمل درآمد کے اسباب مہیا ہو گئے ہیں۔

مقالات

علامہ شبلی کی سیرت النبیؐ میں نقد مصادر
ایک جامع درایتی مطالعہ

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

مصادر سیرت وحدیث: جدید امام سیرت شبلی نے سیرۃ النبیؐ میں بہت سے بلکہ تمام دستیاب مصادر سیرت وحدیث سے روایات وواقعات اخذ کیے ہیں۔ کتب حدیث میں بخاری ومسلم (صحیحین) کے علاوہ صحاح اربعہ بقیہ، مسانید احمد بن حنبل وطیالیسی وغیرہ، متاخر محدثین کی کتب وتالیفات حدیث بیہقی، زرقانی وغیرہ اور شارحین حدیث کی جامع کتب جیسے ابن حجر کی فتح الباری، عینی کی عمدۃ القاری، قسطلانی کی ارشاد الساری، نووی کی شرح مسلم وغیرہ قریب قریب تمام کتب حدیث شامل ہیں، تالیفات سیرت میں ابن اسحاق / ابن ہشام، واقدی / ابن سعد، یعقوبی، بلاذری، طبری وغیرہ کے علاوہ ان کی شروح سے بہت استفادہ کیا ہے۔ ان میں سہیلی کی الروض الانف اور زرقانی کی شرح المواہب اللدنیہ بہت اہم ہیں خاص کر موخر الذکر، ان کی اور بیشتر جدید سیرت نگاروں کی وہی اصل متاخر ماخذ نظر آتی ہے۔ سیرۃ النبیؐ مولانا شبلی میں زرقانی سے اخذ کردہ مباحث سیرت پر ایک عمدہ تحقیقی مقالہ لکھا جاسکتا ہے اور دوسرے جدید سیرت نگاروں کے اس جامع الکتب سے استفادہ پر بھی۔ مولانا شبلی اپنے قبول واخذ روایات میں اصل مصادر سے معلومات وواقعات ضرور لیتے ہیں لیکن ان پر شروح اور متاخر مصادر سے اضافہ بھی خوب کرتے ہیں۔ بخاری ومسلم یا دوسری کتب حدیث پر اور ابن اسحاق وابن ہشام وغیرہ پر اضافات زیادہ تر زرقانی سے ہی کرتے ہیں اور حواشی ومتون دونوں میں اس کی صراحت بھی کرتے جاتے ہیں۔ بخاری ومسلم / صحیحین کے علاوہ دوسری کتب سیرت وحدیث کے جستہ جستہ واقعات وروایات

پروفیسر، صدر، ڈائریکٹر (سابق) ادارہ علوم اسلامیہ وشاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

پر قابل قدر اضافات کر کے وہ اجمال کی تفصیل اور اختصار کی تکمیل کرتے ہیں۔ مصادر سے استفادہ کے مشکل کام میں مولانا شبلی نے اپنے اصل مصادر کے اجمال و اختصار کا شکوہ بھی کیا ہے اور نقد بھی۔ مصادر حدیث ہوں یا مآخذ سیرت، ان دونوں میں بیشتر کتب کی روایات و احادیث کے اختصار و اجمال کا اعلانیہ شکوہ ان کا درایتی نقد ہے، ایسا درایتی نقد و مباحثہ جو روایتی تجزیہ و تحلیل کا بھی حامل ہے۔ اس میں وہ ناقدین سیرت اور مبصرین حدیث دونوں کی آراء سے مدبرانہ استفادہ کرتے ہیں۔

مصادر اصلی پر مبنی اور ضروری مباحث سیرت کی تالیف و ترتیب اور بحث و تمحیص اور تکمیل و تصحیح کی غرض سے مولانا شبلی نے خاص مقالات، کتابچوں، رسالوں اور تالیفات سے بھی استفادہ کر کے اپنی تالیف لطیف کو آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ ان میں قدیم و جدید دونوں قسم کے ہیں مثلاً حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے اسلام پر حافظ مغلطائی کا رسالہ ''التحفة الجسيمة، الخ''، اصحاب صفہ پر ابن الاعرابی اور سلمی کے رسائل و کتب (حافظ سیوطی کا رسالہ اضافہ جامع ہے)، ابوعلی قالی کی امالی، محمود پاشا فلکی کا رسالہ درباب تاریخ ولادت وغیرہ، مولانا شبلی نے بیشتر مقامات پر تو ان خاص رسائل و نگارشات پر تائیدی روایات و مباحث لیے ہیں مگر بعض اوقات ان سے اختلاف بھی کیا ہے اور تبصرہ بھی۔ روایتی نقد اور درایتی تجزیہ کے لحاظ سے مولانا شبلی کا نقد و معارضہ مختلف روایات و آراء کے تقابلی مطالعہ اور متنی تحلیل سے زیادہ قابل قدر لائق تقلید ہے۔ متون و حواشی میں مولانا شبلی تنقیدات مصادر و مآخذ ان کے مقدمہ سیرۃ النبیؐ پر اصولی، متنی، تجزیاتی اور عملی تنقید و تبصرہ کے لحاظ سے گراں قدر اضافات ہیں، مقدمہ میں ان نقد مصادر کے جواہر منتشر و پراگندہ کو مباحث میں ان کے صحیح مقام و تناظر میں اضافہ کر کے ایک نیا مقدمہ سیرت شبلی تیار کیا جا سکتا ہے۔

مصادر سیرت پر نقد شبلی: مقدمہ کے علاوہ مولانا شبلی نے متن سیرۃ النبیؐ اور اس کے مختلف حواشی میں قدیم مصادر سیرت کی روایات پر نقد و استدراک کیا ہے۔ وہ بالعموم ابن اسحاق کی روایت بکائی یعنی سیرت ابن ہشام سے معلومات لیتے ہیں لیکن وہ ان دونوں اماماں سیرت کی روایات پر بھی نقد و تبصرہ کرتے ہیں۔ مصادر اصلی پر مولانا شبلی استدراک و نقد اور تبصرہ و تنقید متاخر مصادر سیرت و حدیث اور اماماں علوم اسلامی کے حوالے سے بھی ہوتا ہے اور کبھی ان کے غور و فکر کا نتیجہ، بسا اوقات وہ دوسرے مصادر سیرت جیسے ابن سعد، بلاذری، مواہب لدنیہ زرقانی وغیرہ سے اضافات کر کے ان کی خلاؤں کو

پُر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ابن ہشام وغیرہ پر ترک روایات کی بنا پر گرفت کرتے ہیں مثلاً:

سہیلی اور زرقانی جیسے جامع شارحین کی روایات کو بہ تفصیل بتاتے ہیں، ان میں مدینہ کے سفر بی بی آمنہ، وفات عبدالمطلب وغیرہ کے واقعات ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کے نکاح کی بابت متعدد حدیث وسیرت بالخصوص بخاری کے اختصار اور اجمال کے شاکی ہیں اور شارحین کے مدح خواں۔

قبل بعثت تعمیر کعبہ دوم کے باب میں واقعات ابن ہشام، طبقات، طبری میں منفرداً اور زرقانی میں مجتمعاً بتانے کے علاوہ "اخیر کا واقعہ بخاری میں بھی ہے" جیسے فقرے لاتے ہیں۔

اسلام حضرات حمزہؓ وعمرؓ کی بحث میں بخاری کی روایت کو اختصار کا اور سہیلی میں تفصیل کا حوالہ دے کر تردد حضرت حمزہؓ کا ذکر صرف سہیلی میں پائے جاتے ہیں۔

جوار مطعم بن عدی نوفلی کی بحث میں مولانا شبلی نے ابن سعد اور مواہب لدنیہ سے تفصیلی پیش کی ہے جو اصلاً امام سیرت ابن اسحاق کی روایت ہے پھر نقد کرتے ہیں: "تعجب ہے کہ ابن ہشام نے یہ حالات قلم انداز کیے ہیں"۔ (۱/۱۷۹، حاشیہ: ۲)

مہاجرین حبشہ کی تعداد اور ان کے اسماء کی گنتی پر حضرت جامع کا حاشیہ میں ابن اسحاق/ ابن ہشام، واقدی، ابن سعد وغیرہ کی فروگذاشتوں پر نقد ملتا ہے۔

بیعت عقبہ اولیٰ، ثانیہ، ثالثہ کی تقسیمات پر بحث جامع ہے اور اس میں اولاً چھ نفر خزرج کے قبول اسلام کا واقعہ بطور بیعت اولیٰ بیان کرنے پر متعدد مصادر پر نقد کیا ہے اور اس کی وجہ سے تین عقبات کا طریقہ یا خیال آیا حالانکہ وہ صرف دو تھیں اور اول واقعہ کو ابتدائے اسلام انصار کہنا صحیح بتایا ہے۔

بیعت عقبہ اولیٰ کی شرائط میں صرف چوری، قتل شرک وزنا وغیرہ سے اجتناب شامل تھا جس کا ذکر بخاری نے کیا ہے لیکن اخیر بیعت میں جان کی حفاظت پر بیعت لی گئی جو کتب سیرت میں ہے اور حدیث میں نہیں ہے۔ (۱/۱۹۰ حاشیہ: ۱)

مدینہ کے سر برآوردہ شخص سوید بن صامت کے بارے میں کہا ہے کہ ابن ہشام سے زیادہ سہیلی میں ہے، اصابہ میں بھی ہے لیکن نسب میں فرق ہے اور امثال لقمان کا ذکر نہیں البتہ طبری میں سوید کا پورا واقعہ مع اشعار کے مذکور ہے۔ (۱/۱۸۶: حاشیہ ۲ اور بعد کے حاشیہ میں ایاس کا واقعہ طبری و

اصابہ میں پورا ہے)

شہر مدینہ میں آمد نبویؐ پر خواتین انصار نے ''طلع البدر علینا من ثنیات الوداع الخ'' گایا تھا۔اس کے متعلق حاشیہ میں بحث شبلی ہے اور تطبیق بھی''.....اشعار کے متعلق زرقانی میں نہایت محققانہ بحث کی ہے اور ابن قیم کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ کی طرف،.....بخاری میں یہ اشعار منقول ہیں مگر غزوہ تبوک کے موقع پر....لیکن ان دونوں روایتوں میں کچھ تناقص نہیں، ممکن ہے دونوں موقعوں پر یہ اشعار پڑھے گئے ہوں''(۱/ ۱۹۹۔۲۰۰؛حاشیہ:۳، اس نقد شبلی میں ثنیۃ الوداع نامی مقام کے محل وقوع کے حوالے سے ابن قیم کے اعتراض ونقد کا جواب نہیں دیا گیا اور نہ تحقیق کی گئی)

سلسلہ غزوات میں نقد مصادر کے خاص خاص درایتی مباحث شبلی کے جواہر ریزے یہ ہیں:

عام مورخین اور مغازی بالعموم اور زرقانی بالخصوص جہاد کے اذن الٰہی کی تاریخ ۱۲رصفر ۲ر ہجری بتاتے ہیں اور اس سے واقعات کی ابتدا کرتے ہیں اور سند میں قول زہری کے حوالے سے آیت حج:۳۹:اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا الخ اور تفسیر ابن جریر کے حوالے سے سورہ بقرہ:۱۹۰: وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم الخ سے استدلال کرتے ہیں لیکن شبلی نے درایتی نقد سے نتیجہ نکالا ہے کہ ''مسلمانوں کو صرف ان سے لڑنے کی اجازت ہے جو ان سے لڑنے آتے ہیں''۔(۱/ ۲۲۱؛حواشی:۱۔۲ بحوالہ سیوطی، اسباب النزول، مسند دارمی اور زرقانی بحوالہ صحیح نسائی، شبلی کا عام نظریہ ہے کہ تمام غزوات دفاعی تھے۔ان آیات کریمہ میں اور دوسری آیات میں بھی وہ دفاعی لگتے ہیں لیکن بہت سی آیات واحادیث میں اقدامی جہاد کا اعلان وفرض ملتا ہے۔دوسرے اولین اذن جہاد مکی ہے)

بدر سے قبل مہموں۔غزوات وسرایا۔کا ''مقصد ارباب سیر کے خیال میں قریشی کاروانوں کو لوٹنا اور مخالفین کے فکر میں صحابہ کو غارتگری کی تعلیم دینا تھا۔لیکن واقعاتی شہادتوں سے ان دونوں کی توجیہات صحیح نہیں ثابت ہوتیں۔ان کا مقصد قرب وجوار کے قبیلوں سے دفاعی معاہدے اور قریش کی خبر رسانی تھی''۔(۱/ ۲۲۲۔۲۲۳ و مابعد مع حواشی ....شبلی کا حاشیہ درایت ہے ...''میں واقعات کا پابند ہوں، رائے اور قیاس سے غرض نہیں....'' بار بار کے تجربات سے بے تدبیری ثابت ہوتی ہے'' شبلی نے حدیث وروایت میں راوی کے قیاس وادراج کو جزو خبر'' نہیں تسلیم کیا، روایتی نقد پر درایتی نقد

شبلی کا خاص فکری عطیہ ہے)

آخری سریہ نخلہ میں عمرو بن الحضرمی کا قتل اتفاقاً ہو گیا تھا اور اس کے سبب بقول شبلی ثار یعنی انتقام خون کی بنیاد قائم ہو گئی اور اس کی وجہ سے غزوہ بدر اور غزوہ بدر کی وجہ سے تمام لڑائیاں پیش آئیں۔ سند و تائید میں طبری کا اقتباس اس معنی کا پیش کیا ہے۔(۱/ ۲۲۴، حاشیہ بروایت حضرت عمرؓ؛ شبلی کے اس نظریہ وفکر اور نقد و تبصرہ سے بیشتر محققین سیرت اور سیرت کے علماء و ناقدین کو اتفاق نہیں، دفاعی جہاد کی بہترین صورت بہر حال اقدامی سعی بھی ہے)

غزوہ بدر سے قبل قریشی کاروان تجارت شامی کی مالیت کے حوالے سے نقد شبلی ہے: ''ہمارے مورخین کو اسباب ونتائج کی جستجو نہیں ہوتی اس لیے انہوں نے اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کی حیثیت سے لکھ دیا، لیکن ان کو احساس نہیں کہ مکہ کو تمام سرمایہ کے اگل دینے کی کیا ضرورت تھی''۔ (حاشیہ:۱/ ۲۲۵:۱) شبلی کا بیان ہے کہ کاروان شام جانے کے بعد عمرو بن الحضرمی کے قتل نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا اور مسلمانوں کے قافلہ لوٹنے کی خبر سے قریشی غیظ و غضب کا بادل بڑے زور و شور سے اٹھا اور پورے عرب پر چھا گیا''۔ (مورخین کو اسباب ونتائج کی جستجو ہوتی ہے، روایت پرستوں کو نہیں، قتل عمرو ابن الحضرمی غزوہ بدر کا فوری محرک بن گیا تھا)

مبارزت اور قتل اکابر قریش وشہادت صحابہ وغیرہ کے بارے میں حاشیہ میں زرقانی کا حوالہ دیا ہے اور تبصرہ کیا ہے:''ان واقعات میں روایتیں مختلف ہیں اور قریبا سب ہم مرتبہ ہیں اس لیے جو روایت اختیار کر لی جائے قابل الزام نہیں....''۔(۱/ ۲۳۱، حاشیہ:۱، اگلے صفحہ کے حاشیہ میں قتل ابوجہل کے بارے میں اختلاف روایات کا ذکر بحوالہ زرقانی کیا ہے۔ اور ان میں تطبیق کی صورت بھی دیکھی ہے۔ قتل ابوالبختری کے بارے میں بخاری کی روایت کے کتاب الوکالہ سے ارباب سیر کے نظر او جھل ہونے کا ذکر کیا ہے۔(۱/ ۲۳۳؛ حاشیہ ۳؛ مختلف مصادر کے جداگانہ مباحث میں خاص کر بخاری کی مختلف کتب وابواب میں ایک ہی موضوع/ مبحث/ مسئلہ سے متعلق احادیث و روایات ہوتی ہیں جن کی طرف شبلی نے خاص اشارہ کر کے واضح کیا ہے کہ صرف ایک مقام خاص پر تلاش مواد سے اخذ و قبول کا فرض نہیں ادا ہوتا)

اسیران بدر کے زر فدیہ اور قتل کے مشوروں میں سے فدیہ کی قبولیت کے بعد ان کی رہائی عمل

میں آ گئی۔روایات میں ہے کہ اس پر عتاب الٰہی آیا جیسا کہ انفال:۶۸ میں ہے۔شبلی نے درایتی بحث کی ہے کہ "یہ روایت تمام تاریخوں اور احادیث میں موجود ہے لیکن سبب عتاب میں اختلاف ہے"۔ روایات سے بحث کے بعد شبلی کا تبصرہ ہے کہ "صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے پر نہیں، مال غنیمت لوٹنے پر تھا۔سورہ انفال:۶۷ کا ماحصل یہ ہے کہ میدان جنگ میں جب تک کافی خوں ریزی نہ ہو چکے قیدی بنانا مناسب نہیں...."۔(۱/ ۲۳۷:"ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ حتی یثخن فی الارض ....)

"غزوہ بدر پر دوبارہ نظر" شبلی کی درایتی ژرف نگاہی اور مصادر پر بحث مدلل کا ایک عمدہ شاہکار ہے۔اس میں بہت اہم مباحث ہیں۔(۱/ ۲۴۴۔۲۵۸)۔ان تمام مباحث نقد و نظر پر ایک الگ تحقیقی مقالہ کی ضرورت ہے۔ان میں روایتی نقد مصادر کے علاوہ نظری و اصولی اور عملی و اطلاقی مثالیں ہیں۔

غزوہ احد: شہادت نبوی کی خبر سن کر "عام ارباب سیر کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیے لیکن صحیح بخاری کے واقعہ مذکورہ میں حضرت عمرؓ کا نام نہیں۔(۱/ ۲۶۸، حاشیہ: نیز ۱/ ۲۷۰۔۲۷۱) میں حضرت حذیفہؓ کے اپنے والد ماجد کے ہجوم قتال میں شہید ہونے کے واقعہ کو ابن ہشام میں مفصل اور بخاری میں مختصر بتایا ہے، شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھنے کی روایات کتب سیرت و حدیث میں ہے کہ حضرت حمزہؓ پر آپ نے سات بار نماز پڑھی اور بخاری روایات میں صرف ایک بار کا ذکر ہے۔(۱/۲۷۲: حاشیہ ۳، بحوالہ طحاوی، شرح معانی الآثار، زیلعی نصب الرایہ اور واقدی مغازی، اضافہ و حاشیہ حضرت جامع ہے)

غزوہ احد سے متعلق استدراکات و تنقیدات شبلی میں سورہ آل عمران کی آیات کریمہ: ۱۴۴۔ ۱۴۸ سے بحث ہے نہ حوالہ، ان سے اور احادیث و روایات سے صحابہ کے ایک گروہ کی پہلوتہی ثابت ہوتی ہے جو بعد میں "صابرین" کی مثال سے دور ہو گئی۔اس پر الگ مطالعہ کیا جا چکا ہے۔عتاب الٰہی کا باعث بلاشبہ جہاد پر مال غنیمت کو ترجیح دینا تھا اور وہ شبلی کا اہم درایتی نقد ہے۔اس طرح نماز جنازہ حضرت حمزہؓ پر ان کا نقد روایات بھی صحیح ہے اور وہ "ترجیح اصح" کا اصول درایت اجاگر کرتا ہے۔

غزوہ مریسیع میں بنو المصطلق پر حملہ کی نوعیت کی بابت صحیحین کی روایت ہے کہ وہ ان کی بے خبری میں کیا گیا جبکہ ارباب سیر کے مطابق ان کو خبر دار کر کے حملہ کیا گیا تھا۔ابن سعد نے دونوں

روایات بیان کر کے دوسری کو صحیح تر قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیحین پر سیرت کی روایتوں کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ شبلی کا خیال ہے کہ صحیحین کی روایات بھی اصول حدیث کے رو سے قابل حجت نہیں کہ اس روایت کا سلسلہ نافع پر ختم ہو جاتا ہے.... اصطلاح محدثین میں منقطع ہے''۔ ان کے سبب نقد پر ان کے جامع وغیرہ نے استدراک کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ روایات سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ فریق وحریف کو وارننگ دی جا چکی تھی اور پھر حملہ ہوا تو وہ اچانک تھا اور حریف بے خبر)

جامع گرامی نے استدراک کیا ہے کہ وہ حدیث متصل ہے کہ شریک غزوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جیسا کہ حدیث کے بعد تصریح آتی ہے لہٰذا وہ منقطع نہیں رہتی۔ (۱/۲۹۴ حاشیہ: ۴-۵، محدثین کا یہ اصول کہ بہر حال روایات حدیث کو ترجیح عام حاصل ہے درایت کی کسوٹی پر بسا اوقات کھرا نہیں اترتا۔ اسی غزوہ کے بعد حضرت جویریہؓ بنت حارث خزاعی سے رسولؐ کی شادی سے متعلق شبلی نے متعدد مصادر حدیث وسیرت کی روایات پر درایتی بحث کی ہے۔ (۱/۲۹۶-۲۹۷ مع حواشی واستدراک جامع۔ محققین حدیث وسیرت بہر حال ''اجماع اہل سیر'' کی قوت ترجیح کے قابل ہیں جیسا کہ ہر فن کے ماہرین کا اجماع ہوتا ہے۔ دوسرے شبلی کے اصول اجمالی روایت/ حدیث اور تفصیلی روایات اصحاب سیر کے مطابق بنو المصطلق کے باب میں حدیث مجمل ہے اور آخری واقعہ کو بیان کرتی جبکہ ارباب سیر نے تفصیل دی ہے کہ پہلے ان کو حملہ وقتال نہ کرنے کی صلاح دی گئی اور پھر ان پر حملہ کیا گیا اور وہ بھی ان کے طلیعہ پر، حضرت جویریہؓ کی شادی پر بحث شبلی درایتی نقد کی ایک اور مثال ہے)

غزوہ احزاب/ خندق: کے بارے میں شبلی نے متعدد مصادر حدیث وسیرت سے روایات جمع کر کے احزاب کی تشکیل وکردار کی نوعیت اجاگر کی ہے۔

روایتی ودرایتی نقد کے بنا پر شبلی نے روایات سیرت اور احادیث میں عمال نبوی کے اسماء و کردار کے بارے میں محدثین کے تطبیق کے اختلاف کو بتا کر واضح کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ محاصرین قریش کی تحقیق حال کے لیے گئے تھے اور بنو قریظہ کی تحقیق حال کے لیے حضرت زبیرؓ (۱/ ۳۰۲، حاشیہ: ۱، روایات کا اختلاف دور کیا گیا ہے ترجیح کے اصول سے)

چار نمازوں کی قضا ہونے کا موقف ونظریہ شبلی نے قبول کر کے محدثین کے اس سخت اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ ''چار قضا ہوئی تھیں یا ایک....'' الخ۔ (۱/۳۰۴، حاشیہ: ۲، اس بحث میں احادیث کا تصادم

تو واضح ہے تو شارحین کا اختلاف و ابہام بھی، مولانا شبلی نے درایتی اصول سے ان دونوں کو دور کیا ہے)

قریش و بنو قریظہ کے ممکنہ اتحاد و معاہدہ کو توڑنے کے لیے شبلی نے ابن اسحاق پر نقد کیا ہے کہ حضرت نعیم بن مسعود اشجعیؓ نے غلط باتیں کہیں''....ابن اسحاق کی روایت میں سند نہیں اور کرتے بھی تو ابن اسحاق کا یہ پایہ نہیں کہ ایسا واقعہ ان کی سند سے قبول کر لیا جائے....''۔ پھر واقعات کے درایتی تجزیہ سے معاہدہ توڑنے کا ذکر کیا ہے۔(۱/ ۳۰۵-۳۰۶'' ....اس کے لیے ایک صحابی کو دروغ بیانی کی کیا ضرورت تھی''۔ جامع گرامی نے مغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایات سے مصنف کی تائید مزید تلاش کی ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ اور تاریخ ابن کثیر میں منقول ہے۔ حاشیہ:۱، ابن اسحاق پر شبلی نقد بلاوجہ اور جارحانہ ہے، وہ بلاشبہ ثقہ و بلند پایہ تھے۔ شبلی نے دراصل دو عمدہ تنقیدیں کی ہیں: ایک روایتی و درایتی دونوں کہ حضرت نعیم اشجعیؓ نے سفارتی حکیمانہ گفتگو کی اجازت لی تھی اور یہ عام طریقہ عصر تھا۔ دوسرے روایات مصادر دیگر سے ثابت کیا ہے کہ بنو قریظہ نے رسول اللہؐ سے کیا گیا معاہدہ توڑ دیا تھا اور قریشی احزاب کی جنگی مدد کی تھی)

غزوہ بنی قریظہ: کے ضمن میں شبلی نے واقعہ ریحانہؓ پر اپنے خاص درایتی انداز سے لکھا ہے اور اسے غلط واقعہ قرار دے کر مصادر سیرت پر نقد کیا ہے: ''ریحانہ کے حرم میں داخل ہونے کی جس قدر روایتیں ہیں سب واقدی یا ابن اسحاق سے ماخوذ ہیں لیکن واقدی نے بہ تصریح بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ان سے نکاح کیا تھا'' پھر ابن سعد کی روایتِ واقدی کے ضروری الفاظ کے علاوہ محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے ابن حجر کی نقل کردہ عبارت اور حافظ ابن مندہ کی کتاب (طبقات الصحابہ) ''جو تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہے'' کی عبارت نقل کرکے استدلال کیا ہے اور حافظ ابن حجر سے استشہاد اور ابن اثیر پر نقد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ '' آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور وہ اپنے خاندان والوں کے پاس حجاب میں رہتی تھیں''۔ شبلی نے حافظ ابن مندہ کا بیان نقل کرکے فیصلہ کیا ہے کہ ''ہمارے نزدیک واقعہ یہی ہے اور اگر مان لیا جائے کہ وہ حرم نبوی میں آئیں تب بھی قطعاً وہ منکوحات میں تھیں، کنیز نہ تھیں''۔ (۱/۱۲-۳۱۳، حاشیہ:۱، اضافہ سلیمانی میں حضرت ریحانہؓ کے بارے میں مصادر سیرت کی تین طرح کی روایات کا تجزیہ کرکے مصنف کے بیان کی تائید مزید کی گئی ہے)

غزوات یہود مدینہ: اکابر قریش نے ہجرت مدینہ کے بعد عمائدین یہود کے نام جو خط لکھا تھا

اوراس کے ذریعہ مسلمانوں کے استیصال اوراخراج پر اکسایا تھاوہ ابوداؤد کی حدیث کے مطابق بنونضیر کے نام لکھا گیا تھا حالانکہ شبلی کے خیال کے مطابق ''وہ عام یہود کے نام تھااور نتیجہ بھی عام تھا''۔اس بنا محدث حاکم نے بنونضیراور بنوقینقاع دونوں کوایک ہی واقعہ خیال کیا''۔(۱/۲۸۵: حاشیہ: ۲،سنن ابی داؤد، ذکر بنی نضیر، کتاب الخراج والامارہ؛شبلی کا خیال صحیح ہے کہ وہ نامہ قریش تمام اکابر یہود کے نام تھا لیکن محدث حاکم وغیرہ نے دونوں غزوات کوایک سمجھنے کی غلطی صرف روایات غزوات بنی قینقاع و بنی نضیر کو صحیح طور سے نہ سمجھنے کی وجہ سے کی ہے۔)

بنوقینقاع کی جلاوطنی، اولین قبیلہ یہود بنوقینقاع نے عہد شکنی کی اور پندرہ دنوں کے محاصرہ کے بعدانہوں نے خودسپردگی کی اوران خزرجی حلیف عبداللہ بن ابی بن سلول کی درخواست پران کوجلاوطن کردیا گیا۔شبلی کا خاص حاشیہ نقدودرایت یہ ہے کہ''عام ارباب سیر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ ان کوقتل کردینا چاہتے تھے۔عبداللہ بن ابی کے اصرار سے مجبور ہو گئےلیکن سنن ابی داؤد.... میں جس طرح یہ واقعہ مذکور ہے اس سے اس قیاس کی غلطی ثابت ہوتی ہے''۔(۱/۲۸۶: حاشیہ: ۳،بحوالہ مذکورہ۔ایک جدید تحقیق ہے کہ بنوقینقاع کومعاف کرکے مدینہ میں رہنے دیا گیا تھا: برکات احمد، محمدؐ اور یہود، میں اس پر بحث ہے؛شبلی کا یہ نقدواستدراک بالکل صحیح ہے کہ آپ نے بنوقینقاع کے قتل کا فیصلہ یا خیال نہیں کیا تھا۔جلاوطنی کا کیا تھا جس سے دوسرے بھی متفق تھے)

قتل کعب بن الاشرف کے نازک مبحث میں شبلی نے مختلف مصادر سیرت خاص کر یعقوبی کے حوالے سے تحقیق پیش کی ہے کہ وہ قتل نبوی کی سازش کررہا تھااور منصوبے کے مطابق قتل کے لیے لوگ جمع کردیے تھے۔اس کی تائید حافظ ابن حجر کی فتح الباری کی ایک روایت جو حضرت عکرمہ سے ہوتی ہے مگر حافظ موصوف کا خیال ہے کہ اس روایت میں ضعف ہے بہ اعتبار سند شبلی کا درایتی نقد ہے کہ جب قرائن اوردیگر شواہد موجود ہیں تو یہ ضعف رفع ہوجاتا ہے....''۔اسی طرح قتل کعب کی مہم کے سردار حضرت محمد بن مسلمہؓ کے اذن نبوی کے بارے میں ''ارباب سیر نے اس کے یہ معنی لگائے ہیں کہ انہوں نے جھوٹ باتیں کہنے کی اجازت مانگی اورآنحضرتؐ نے اجازت دے دی لیکن بخاری کی روایت میں صرف یہ لفظ ہے: فاذن لی ان اقول'' اس سے غلط گوئی کی اجازت کہاں نکلتی ہے؟'' (۱/ ۲۸۸۔۲۸۹ بحوالہ زرقانی ۲/۱۳ و صحیح بخاری کتاب المغازی، باب قتل کعب.... الخ۔دوسرے مصادر سیرت میں ابن سعد،

ابوداؤد، تفسیر طبری اور کتاب الخمیس ہیں، شواہد و قرائن سے خاص حدیث و روایت کے سندی ضعف کے رفع ہونے کا اصول محدثین کو بھی تسلیم ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ کا معاملہ بھی حضرت نعیم اشجعیؓ جیسا ہے)

غزوہ بنی النضیر کے متعلق شبلی نے مصادر سیرت و حدیث سے مواد لے کر بحث و تشریح کی ہے اور سنن ابی داؤد کی حدیث پر ان کو مبنی کیا ہے اور ان کا تبصرہ ہے کہ ''تعجب ہے کہ ارباب سیرت ابوداؤد کی اس روایت سے بالکل بے خبر ہیں'' جس میں انہوں نے قریش سے ساز باز کر کے قتال کا منصوبہ بنایا تھا۔ (ا/۲۹۰-۲۹۱؛ مع حواشی، لین نامی درختوں کے کٹوانے کی توجیہ اور بنونضیر کی عیاری پر مزید بحث فتح الباری اور اصل بخاری سے کی ہے اور جامع نے امام احمد اور عمدۃ القاری سے مزید تائید کی ہے)

غزوہ بنی قریظہ میں ان کے استحصال کی روایات حدیث و سیرت کی بنا پر اور واقعات و معاملات کی درایتی تحلیل کی وجہ سے عام خیال قبول کیا ہے۔ (ا/۳۰۷-۳۰۹ مع حواشی؛ برکات احمد، ''محمد اور یہود'' اور ڈبلیو این عرفات کے مضمون BOAS میں یہ نظریہ ہے کہ صرف اکابر اور مجرمین کو قتل کیا گیا تھا اور ان کی تعداد ایک درجن سے کچھ زیادہ نہ تھی، عام افراد بنی قریظہ کا قتل اور غلام بنا کر بیچ دینا صحیح نہیں ہے۔ برکات احمد اور عرفات دونوں کے دلائل و شواہد قابل غور و فکر ہی نہیں صحیح روایتی و درایتی تنقید کی عمدہ مثالیں ہیں۔ شبلی ان پر غور و فکر کرنے سے چوک گئے یا فساد خوف خلق سے سکوت اختیار کر گئے)

حضرت زینبؓ سے نکاح نبویؐ کی مدلل و مفصل بحث اسی ۵ھ اور واقعہ ریحانہؓ کے معاً بعد کی ہے اور اس کے واقعات بیان کر کے مصادر پر سخت نقد کیا ہے۔ مخالفوں کے لیے اس واقعہ کذب و افترا کی رنگ آرائی کے لیے سیاہی ہمارے ہاں سے مستعار لینے کا واقعہ تسلیم کر کے تاریخ طبری کی ایک روایت کے الفاظ نقل کیے ہیں جن میں ان کے عریاں دیکھنے کی بات آئی ہے۔ شبلی کا دلدوز تبصرہ ہے کہ ''میں نے یہ بیہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کر کے نقل کی ہے، نقل کفر، کفر نہ باشد، یہی روایت ہے جو عیسائی مورخوں کا مایہ استناد ہے لیکن ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں اصول فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے؟ مؤرخ طبری نے یہ روایت واقدی کے ذریعہ نقل کی ہے جو مشہور کذاب اور دروغ گو ہے اور جس کا مقصد اس قسم کی بیہودہ روایتوں سے یہ تھا کہ عباسیوں کی عیش پرستی کے لیے سند ہاتھ آئے۔ طبری کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اس قسم کی بیہودہ روایتیں نقل کی ہیں، لیکن محدثین نے ان کو اس قابل نہیں سمجھا کہ ان سے تعرض کیا جائے''۔ حافظ ابن حجر کو ''سخت روایت پرست'' اور حافظ ابن کثیر کو ''مشہور محدثین میں

سے" ہونے کا توثیق نامہ دینے کے بعد ان کی عبارتوں کو نقل کیا ہے کہ ابن ابی حاتم، ابن جریر اور دیگر مفسرین کو سورۂ احزاب میں نقل کردہ روایتوں سے تعرض نہ کرنا چاہیے کہ وہ غلط ہیں اور اسی بنا پر ابن کثیر نے امام احمد کی غریب حدیث کو ترک کردیا ہے۔ پھر آخری تبصرہ کیا ہے کہ "یہی روایتیں ہیں جو بچی کھچی غیر محتاط کتابوں میں باقی رہ گئیں لیکن وہ محدثین، جن کا معیار تحقیق بلند ہے اور عدالت روایت کے حاکمان مجاز ہیں، مثلاً امام بخاری و امام مسلم وغیرہ ان کے ہاں ان روایتوں کا ذکر تک نہیں آتا"۔ (۱/ ۳۱۵-۳۱۶، غلط روایات کے ردو تغلیط پر شبلی نقد روایتی و درایتی طور سے بجا ہے لیکن واقدی کے کذاب و دروغ گو ہونے کا الزام قطعی غلط ہے کہ وہ واقدی کے مقام و مرتبہ اور ان کے کام سے واقف نہ تھے اور صرف اسماء الرجال کے بعض ناقدین کے فکر سے متاثر تھے۔ ان کے مظالم قتل وغیرہ کسی سند و تائید مورخ کے محتاج نہ تھے)

صلح حدیبیہ/ بیعت رضوان، سورہ فتح کی آیات ۲۴ و مابعد پر حاشیہ شبلی ہے۔ "ان آیتوں کے شان نزول میں سخت اختلاف ہے لیکن زیادہ معتبر روایت یہی ہے" یعنی صلح حدیبیہ کے موقع پر قریشی حملہ آوروں کو گرفتار کرلیا گیا تھا پھر صلح کی خاطر ان کو چھوڑ دیا گیا۔ (۱/ ۳۲۲، حاشیہ ۱، ترجیح روایات کا اصول شبلی نیز واقعاتی شہادتوں کا نظریہ دونوں شبلی کی ترجیح و خیال کے موید ہیں)

کتاب صلح لکھنے کے بارے میں شبلی نے صحیحین کی روایات کا تجزیہ حاشیہ میں کیا ہے: "صحیح بخاری کی اس روایت میں جو صلح حدیبیہ میں ہے حضرت علیؓ کا نام اور ان کی گفتگو مذکور نہیں: بہ تصریح بخاری کی اس روایت میں ہے جو کتاب المغازی باب عمرۃ القضا (۲/۶۱۰) میں مذکور ہے، صحیح مسلم ۲/۸۸ باب صلح حدیبیہ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے"۔ (۱/۳۲۳، حاشیہ: ۲، مختلف روایات سیرت اور احادیث واقعہ سے صحیح صورت واقعہ اجاگر ہوتی ہے)

صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں حضرت عمر فاروقؓ کے گستاخانہ معروضات پر حضرت موصوفؓ کے سخت رنج اور اس کے کفارہ کے متعلق لکھا ہے کہ "ابن اسحاق نے تفصیل سے یہ تمام باتیں گنائی ہیں"۔ (۱/ ۳۲۵؛ حاشیہ: ۲، بحوالہ سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۱۶۔ بلاشبہ وہ سخت معروضات تھے لیکن حضرت عمرؓ صرف ان کے ترجمان عالی مقام تھے۔ صحابہ کرامؓ کی اکثریت اس معاہدہ کی نوعیت سے متفق نہ تھی لیکن خاموش رہی۔ حضرت عمرؓ نے بحث کرکے ان کا نقطہ نظر پیش کیا جس کی معقولیت آپؐ نے تسلیم کی لیکن فیصلہ وحی الٰہی پر کیا)

واقعات صلح حدیبیہ پر محدثین واہل سیر کا فرق، صحیح مسلم کا حوالہ دینے کے بعد لکھا ہے کہ "صلح حدیبیہ کے واقعات صحیح بخاری میں نہایت تفصیل سے مذکور ہیں لیکن اصل موقع یعنی غزوات کے ذکر میں نہیں بلکہ کتاب الشروط میں، اس بنا پر ارباب سیر کی نگاہ سے یہ واقعات رہ گئے۔ غزوات میں جستہ جستہ واقعات ہیں، ہم نے ان کو بھی لیا ہے۔ باقی جزئیات صحیح مسلم اور ابن ہشام سے ماخوذ ہیں"۔ (۱/۳۲۶، حاشیہ: ۲، ارباب سیر کی اپنی تمام روایات واحادیث میں واقعات صلح حدیبیہ واضح ہیں اور وہ محدثین وارباب سیر کے اتفاق فکر وعمل کو دکھاتے ہیں۔ ارباب سیر کا نقد شبلی بجا نہیں)

سلاطین کو دعوت اسلام کی بحث میں شبلی نے مسند احمد بن حنبل کی ایک حدیث پر نقد کیا ہے کہ شاہ روم ہرقل نے سفیر نبوی حضرت دحیہ کلبیؓ کے بدست ایک خط جناب رسالت مآبؐ میں بھیجا تھا جس میں کچھ سوالات کے جوابات مانگے تھے۔ سفیر رومی نے نبوت کے بارے میں جوابات جاننے کے باوجود اسلام نہیں قبول کیا اور واپس گیا۔ شبلی نے تبصرہ کیا ہے کہ "یہ حدیث صحیح نہیں" کیونکہ قیصر کا خط پڑھنے کے لیے آنحضرتؐ نے حضرت معاویہؓ کو بلایا تھا اور وہ اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے"۔ نقد شبلی پر استدراک جامع ہے کہ حسب تحقیق حافظ ابن حجر یہ دوسرا واقعہ ہے اور غزوہ تبوک کے زمانہ کا ہے جب حضرت معاویہؓ اسلام لا چکے تھے اگر چہ تبوک میں ان کی شرکت مذکور نہیں۔ یہ روایت اسی سند کے ساتھ کتاب الاموال ابوعبید قاسم بن سلام میں بھی موجود ہے"۔ (۱/۳۳۲، حاشیہ ۲، مکاتیب نبوی اور مراسلات اکابر عرب کے بارے میں ایک اہم واقعیت ذہن نشین کرنی ضروری ہے کہ وہ مختلف اوقات میں لکھے گئے تھے۔ روایات کا تعدد اور ان کی بنا پر مراسلات وفرامین کا تعدد اسی وجہ سے لازمی امر بن جاتا ہے۔ یہی صورت واقعہ سفارتوں، تقریروں اور کئی دوسرے امور کے بارے میں بھی ہے۔ حضرت جامع کے استدراک اور حافظ ابن حجر وغیرہ محدثین ومورخین کے نظریہ "تعدد" کا ارتقاء اسی بنا پر ہوا۔ حضرت معاویہؓ اور دوسرے اکابر وسپاہ قریش کی شرکت تبوک کی روایات عام مصادر میں مفقود ہیں اور یہ تحقیق طلب امر ہے)

وفات نجاشی کا ذکر اسی دعوت اسلام کے حوالے سے آ گیا ہے "عام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی۔ آنحضرتؐ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی" لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح مسلم میں تصریح ہے کہ جس نجاشی کی نماز جنازہ آپ نے پڑھی وہ یہ نہ تھا۔ اضافہ متن سلیمانی میں ہے کہ "ابن قیم نے ارباب سیر کی روایت کی تائید کی ہے اور مسلم کی روایت کے اس ٹکڑے کو راوی کا وہم بتایا ہے"۔

حاشیہ میں محشی دوم ''ض'' نے اسے حضرت جامع کا تسامح قرار دیا ہے اور علامہ ابن قیم کی بات کو مولف سیرت کا مقصود بتایا ہے اور پوری عبارت نقل کی ہے۔(۱/ ۳۳۵، حاشیہ:۵ وماقبل)اصحمہ عہد نبوی میں حبشہ کے دو نجاشی حکمراں رہے ایک حضرت اصحمہ / اصحم جن کے زمانے میں مہاجرین حبشہ نے وہاں پناہ لی تھی اور دوسرے ان کے فرزند گرامی حضرت ....''اس موضوع پر بعض جدید تحقیقات ہو چکی ہیں۔ فتح الباری میں حضرت نجاشی کی نماز جنازہ کے بارے میں ابن حجر کی تحقیق ہے (۳/ ۱۵۰ وبعد؛اور ابن اسحاق کی سہیلی میں، سہیلی ۲/ ۱۱۷ وبعد)

عزیز (مقوقس) مصر کے نام مکتوب گرامی اور اس کے جواب اور ہدایا کے حوالہ سے شبلی کا موقف یہ ہے کہ ''خاتونیں لونڈیاں نہ تھیں اور اسلام قبول کر چکی تھیں۔اس لیے آنحضرتؐ نے حضرت ماریہؓ سے نکاح کیا ہوگا، نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم میں آئی تھیں''۔(۱/ ۳۳۶، حاشیہ ۱، میں مزید صراحت کی ہے کہ ''ہم نے اس وجہ سے جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے کیونکہ مقوقس کے الفاظ میں ان کی نسبت لکھا گیا ہے کہ مصریوں میں ان کی بڑی عزت ہے'' یہ لونڈیوں کی شان میں استعمال نہیں کیے جاتے''۔حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بارے میں احادیث و روایات نے ایک گورکھ دھندا کھڑا کر دیا ہے۔ وہ تجزیہ و تحقیق کا طالب ہے۔بعض مختصر تالیفات آئی ہیں مگر ایک مفصل و مدلل تحقیق کی ضرورت باقی ہے۔ویسے مصنف سیرۃ النبی کا خیال و قیاس صحیح ہے کہ وہ ازواج مطہرات میں شامل تھیں)

غزوہ خیبر کے باب میں قتل اسیر بن رازم یہودی پر حاشیہ شبلی ہے: ''یہ تمام واقعات ابن سعد، ج ۲، قسم اول، صفحہ ۶۶، ۶۷ سے منقول ہیں۔بہت سی کتابوں میں لکھا ہے عبداللہ بن انیسؓ نے خود ابتدا کی اور اسیر بن رازم کو قتل کر ڈالا لیکن صحیح واقعہ وہی ہے جو ابن سعد سے منقول ہے اور وہی اس معرکہ کی وجہ ہو سکتا ہے''۔(۱/ ۳۳۹، حاشیہ ۲، ''آگے ذکر آتا ہے کہ اسیر نے مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنایا تھا اس لیے اس کو قتل کیا گیا تھا'')

غزوہ ذی قرد ۷ھ کی توقیت پر شبلی نے واقعہ تو بخاری و مسلم سے بھی لیا ہے لیکن زیادہ تفصیل ابن سعد و ابن اسحاق سے لی ہے۔''ارباب سیر نے متفقاً اس واقعہ کو خیبر کے واقعہ سے ایک سال ماقبل بیان کیا ہے لیکن (طبری نے بروایت سلمہ.....جو اس غزوہ کے ہیرو تھے اور نیز) امام بخاری نے صاف تصریح کی ہے کہ خیبر سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے''۔حافظ ابن حجر کی ترجیح صحیح بخاری کے علاوہ ان کی

دونوں روایتوں میں تطبیق کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عیینہؓ بن حصن نے ذوقرد پر دو دفعہ حملہ کیا۔اول بار جس کا ذکر ارباب سیر کرتے ہیں اور یہ بالکل قرین قیاس ہے(حاشیہ واضافہ میں)۔شبلی کا تبصرہ عام ایک یہ ہے کہ ”عام ارباب سیر کو غزوہ خیبر (بلکہ تمام غزوات) کے متعلق چونکہ کسی سبب کی تلاش وجستجو نہیں۔اس لیے ان کو اس سے بحث نہیں کہ واقعات کا تسلسل اور غزوات کے اسباب کیا ہیں۔لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں“۔(۱/۳۴۱۔۱۔۲ قوسین کے اضافے حضرت جامع کے ہیں۔شبلی کا یہ بیان کہ ارباب سیر غزوات کے اسباب سے بحث نہیں کرتے تعمیم کا نشان ہے اور پورا صحیح نہیں ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ روایات وبیانات کا اختلاف وتصادم واقعات مختلفہ کو ایک سلسلہ کی کڑیاں بنانے میں حارج ہوتا ہے تعمیم یہ بحث طلب ہے)

غزوہ خیبر کا آغاز اور غزوات کی بہ نسبت ایک امتیاز خاص رکھتا ہے اور اگرچہ ارباب سیر کی نظر اس نکتہ پر نہیں پڑی کہ اس امتیاز کے اسباب کیا تھے؟ تاہم واقعہ کی حیثیت سے امتیازی امور ان کی زبان سے بلاقصد نکل گئے ہیں“۔(۱/۳۴۱۔۳۴۲؛شبلی کی جرح ارباب سیر پر کہ بلاقصد وامتیاز ان کی زبان سے نکل گئے جارحانہ اور غیر صحیح ہے۔خود ان کی روایات اور شارحین کی تشریحات اس کی شاہد ہیں)

قلعہ قموص کا معرکہ ”خاص تھا کہ مرحب کا تخت گاہ تھا“۔طبری کی روایت کے مطابق حضرات شیخین ناکام رہے اور حضرت عمرؓ پر بطور خاص ان کے پاؤں جم سکنے اور ان کی نامردی کی شکایت فوج نے اور سالار نے ان کی نسبت یہی شکایت کرنے کا الزام لگایا ہے۔شبلی نے ایک مفصل ومدلل پیراگراف میں اس کے سلسلہ سند پر نقد کیا ہے کہ بہت سے لوگوں کے نزدیک اس کے راوی عوف نامی ثقہ ہیں لیکن بندار نے ان کو رافضی اور شیطان بتایا۔اگرچہ یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن ان کی شیعیت سب کو تسلیم ہے۔بقول شبلی ”اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں لیکن ایک شیعہ کی روایت سے حضرت عمرؓ کے باب میں کچھ مخالفانہ کہنا اس روایت کے رتبہ کو گرا دیتا ہے۔دوسرے اس کے اوپر کے راوی عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں لیکن محدثین ان کی روایت کو شبہہ کی نظر سے دیکھتے ہیں.....“۔(۱/۳۴۵۔۳۴۶،حواشی ۱۔۲ بحوالہ تاریخ طبری ۳/۱۵۷۹،اور میزان الاعتدال ۲/۳۰۹)۔حضرات شیخین اور بالخصوص حضرت عمرؓ کی ناکامی اکیلی نہ تھی۔دوسرے بعض امراء بھی کامیاب نہ ہو سکے،اسباب سے سردست بحث نہیں لیکن وہ معرکہ خاصا مشکل تھا اور متعدد حملوں کے بعد سر کیا جا سکا۔اس کی فتح میں ان اولین

معرکوں کا بھی ہاتھ تھا۔ بخاری/ فتح الباری ۷/ ۵۹۴۔۵۹۷: حاکم نے اکلیل میں اور بیہقی نے دلائل میں دس صحابہ کی ناکامی کا ذکر کیا ہے)

قتل مرحب کے متعلق ''عجائب پسندی کی مبالغہ آمیز افواہیں پھیلانے'' کا ذکر کر کے معالم التنزیل، ابن اسحاق اور حاکم کی روایتی مبالغہ آرائی کو ''بازاری قصے'' قرار دیا ہے۔ اور علامہ سخاوی کا تبصرہ مقاصد حسنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ ''سب لغو روایتیں ہیں''۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کو منکر کہا ہے اور ابن ہشام کی روایات میں سندی اسقام انقطاع کے علاوہ کہا ہے کہ اس کے ایک راوی بریدہ بن سفیان کو امام بخاری، ابوداؤد اور دار قطنی قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ (۱/ ۳۴۸ مع حاشیہ: ۱)

ابن اسحاق و موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے مارا تھا، مسند احمد ابن حنبل اور نووی شرح صحیح مسلم میں بھی ایک روایت ہے لیکن صحیح مسلم (اور حاکم ۲/ ۳۹) میں حضرت علیؓ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح الروایات ہے''۔ (۱/ ۳۴۸ مع حواشی ۲۔۳ و تبصرہ محشی) لیکن مصنف گرامی نے فتح الباری کا حوالہ نہیں دیا جس میں قتل مرحب کی روایات پر بحث ہے ۷/ ۵۹۷؛ جزم اصحاب سیرت کا ایک وزن ہے دوسرے فاتح خیبر کا عام لقب محض عقیدت کا زائیدہ ہے۔ امام احمد اور حاکم بھی اصحاب سیرت سے متفق ہیں: سہیلی ۴/ ۵۷ و مابعد)

حضرت صفیہؓ کے واقعہ کی تحقیق میں شبلی نے کتب حدیث و سیرت میں ان کے حسن کی تعریف والی روایات پر نقد کیا ہے ''اور اس کا نہایت بدنما پیرایہ بتایا ہے لیکن مختلف روایات میں فرق بھی ہے''۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور موخر الذکر کی شرح مازری (مشہور محدث) کے بیان کو ترجیح دی ہے کہ آپ نے حضرت صفیہؓ کو حضرت دحیہ کلبی سے لے کر خود ان سے نکاح اس لیے کیا کہ وہ عالی رتبہ اور رئیس یہود کی صاحبزادی تھیں، اس لیے ان کا کسی اور کے پاس ہونا ان کی توہین تھی۔ اور حافظ ابن حجر سے اس کی قریب قریب تائید تلاش کی ہے''۔ بعد میں مدلل طریقہ سے درایتی بحث کی ہے کہ ''ان کی بلند مرتبت حیثیت اسی کی متقاضی تھی اور یہی سنت آپ نے حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقیؓ سے نکاح میں ادا کی تھی اور اس کے دور اس اثرات نکلے تھے۔ (۱/ ۳۴۸۔۳۵۰ مع حواشی؛ ملاحظہ ہو بخاری/ فتح الباری، ۷/ ۵۹۷۔۶۰۰: حدیث بخاری: ۴۲۱۱ وغیرہ؛ سہیلی ۴/ ۷۷۔۷۹؛ نیز ۸۰۔۸۲)

قتل کنانہ بن ابی الحقیق کے متعلق ''ارباب سیر نے ایک سخت غلط روایت نقل کی ہے اور وہ

اکثر کتابوں میں منقول ہوکر متداول ہوگئی کہ یہود پر شرط عاید کی تھی کہ وہ کچھ نہ چھپائیں گے مگر کنانہ نے جب اپنا خزانہ بتانے سے انکار کیا تو اس پر سخت تشدد کیا گیا اور بالآخر اسے قتل کردیا گیا۔اس کا قتل تو واقعہ اور صحیح بھی ہے لیکن وہ خزانہ کا چھپانا نہ تھا بلکہ ایک صحابی محمود بن مسلمہ کو قتل کرنا تھا۔طبری میں تصریح ہے"۔...شبلی نے روایتی نقد و درایتی تجزیہ میں بحث کی ہے کہ"مذکورہ بالا غلط روایت طبری و ابن ہشام اصل میں ابن اسحاق سے مروی ہے اور محدثین کے مطابق ابن اسحاق یہودیوں سے مغازی نبوی کے واقعات روایت کرتے تھے۔اس روایت کو بھی ان ہی روایتوں میں سمجھنا چاہیے اور یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق اور راویوں کا نام نہیں لیتے،کسی شخص پر خزانہ بتانے کے لیے اس قدر سختی کرنا....رحمۃ للعالمین کی شان اس سے بہت ارفع ہے"۔(۱/ ۳۵۱-۳۵۴ مع حواشی،اس کے بعد شبلی نے دوسری غلط روایات و واقعات پر سخت درایتی نقد کیا ہے جو بہت مفصل و مدلل ہے اور صحیح بخاری،ابن حجر کی شرح فتح الباری، ابن قیم کی زادالمعاد وغیرہ سے بحث کی ہے اور موخر الذکر پر صحیح بخاری کی روایت نظر انداز کرنے کا حکم لگایا ہے جو کنانہ کے دونوں بیٹوں کے قتل کو تسلیم کرتے ہیں۔ابوداؤد سے صرف قتل کنانہ کا واقعہ تسلیم کیا ہے،ابن اسحاق پر شبلی کا الزام جارحانہ ہے اور سب نے کہا ہے کہ وہ یہودیوں سے مغازی میں روایات لیتے تھے۔اول تو دوسرے بھی لیتے ہیں،دوم سب مغازی میں نہیں لی،صرف یہودی قبائل و افراد کے بارے میں لی ہیں۔قتل کنانہ کا سبب صحیح بتایا ہے)

ماہ حرام میں قتال کی بحث میں شبلی نے اس کے جواز کے قائلین کا نقطہ نظر بیان کرکے اس پر ابن قیم کا تبصرہ نقل کیا ہے کہ قتال کا آغاز حرام ہے مگر ضروری دفاع بالاتفاق جائز ہے۔پھر ابن قیم اور ان کے شیخ ابن تیمیہ کے نظریہ پر کہ بدر و خیبر دفاعی نہ تھے،باقی سب غزوات مدافعانہ تھے،شبلی نے ابن قیم کے گرہ نہ کھول سکنے پر اور ان کے شیخ پر اشتباہ کا ذمہ ڈال کر ان کو بھی مدافعانہ/ دفاعی غزوات قرار دیا ہے کہ قریش اور یہود/ غطفا مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرچکے تھے اس لیے ان کو دفاع کیا گیا۔(۱/ ۱۵۴-۱۵۵: بدر کے لیے اس کے بیان غزوہ کا حوالہ دیا ہے؛ یہ بحث تحقیق طلب ہے۔شبلی دفاعی جہاد کے نظریہ بلکہ عقیدہ کے قایل ہیں لہٰذا وہ سب کو دفاعی بتاتے ہیں)

عمرۃ القضاء کے ضمن میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی صاحبزادی حضرت امامہؓ کی تولیت ان کے خالو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور خالہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی رشتہ داری اور قرابت کی بنا پر

سپرد کی۔شبلی نے حاشیہ میں صراحت کی کہ ''اس واقعہ کا بڑا حصہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے، بعض زائد تفصیل زرقانی سے لی گئی ہیں جو کتب حدیث کے حوالے سے زرقانی نے نقل کی ہیں''۔(۱/ ۳۵۸؛ حاشیہ ۲؛ بخاری/ فتح الباری ۷/ ۶۲۴ ومابعد)

غزوہ موتہ ۸ھ کو شبلی نے شکست خوردہ قرار دے کر اس کی مدینہ واپسی کا ذکر کیا ہے لیکن حضرت جامع نے اس پر نقد کیا ہے کہ ابن اسحاق کی روایت پر اعتماد کر کے اس فوج کو شکست خوردہ لکھا ہے لیکن صحیح بخاری میں اس کو از روے وحی فتح سے تعبیر کیا گیا۔حضرت جامع کا حاشیہ واستدارک بہت جامع اور درایتی نقد کا ہے لیکن اس سے اتفاق مشکل ہے۔(۱/ ۳۶۱؛ حاشیہ ۲: صرف فوج کے ایک حصہ کو فراری قرار دیا گیا تھا پوری فوج کو نہیں۔ یہ توجیہ الگ ہے)اس میں شبلی کے ابن اسحاق پر اعتماد کرنے کا خیال دلچسپ ہے کہ شبلی خود ابن اسحاق کے ناقد ہیں، یہ بحث تحقیق طلب ہے، ملاحظہ ہو: فتح الباری ۷/ ۶۳۹ ومابعد؛ سہیلی ۴/ ۱۲۰۔۱۴۰ وغیرہ دوسرے ماخذ حدیث وسیرت۔

فتح مکہ رمضان ۸/ جنوری ۶۳۰: خزاعہ پر قریشی حملہ کا ذکر بطور خاص شبلی نے زرقانی ۲/ ۳۳۶ سے لیا ہے جو مغازی ابن عائذ سے نقل کیا ہے۔اس پر شبلی کا یہ تبصرہ ہے ''تعجب ہے کہ اور مورخین اور ارباب سیر ایسے ضروری واقعہ کو قلم انداز کر گئے''۔(آپؐ نے خزاعی وفد کی فریاد پر ''قریش کو تین شرطوں میں سے ایک منظور کرنے کو لکھا تھا اور قرط بن عمرو نے قریش کی زبان سے کہا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے''/ یعنی صلح حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔(۱/ ۳۶۳ حاشیہ ۲: دلچسپ بات ہے کہ زرقانی نے یہ روایت ایک مغازی نویس سے لی ہے اور حافظ ابن حجر نے اس پر بحث کی ہے۔مزید بحث کے لیے حکیم محمود احمد ظفر، سیرت خاتم النبین ۸۱۴۔۸۱۵ ومابعد، مزید مراجع میں بھی ہے)

مرالظہران میں اسلامی لشکر کے خیمہ گاہ اور اکابر قریش کی آمد کے بارے میں شبلی کا حاشیہ ہے کہ ''اصل واقعہ بخاری میں کافی تفصیل کے ساتھ موجود ہے لیکن مزید تفصیل اور جزئیات حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ وغیرہ سے نقل کیے ہیں۔میں نے ان کو بھی لے لیا ہے۔بعض واقعات طبری سے ماخود ہیں''۔(۱/ ۳۶۴؛ حاشیہ: ۲)

مکہ میں داخلہ نبویؐ شبلی نے یہ تصریح نہیں لکھا کہ حضرت خالدؓ کو مکہ کے بالائی حصہ سے داخل ہونے کا حکم دیا۔حضرت جامع نے استدراک کیا ہے کہ حضرت مصنف نے صحیح بخاری کی حضرت عروہؓ

کی مرسل روایت لے لی ہے مگر صحیح اور مرفوع روایات میں تصریح ملتی ہے کہ ’’آپؐ بالائی حصہ سے اور حضرت خالدؓ زیریں حصہ سے داخل ہوئے تھے‘‘۔ (۱/۳۶۶، حاشیہ ۳، اسی طرح مقام حنیف پر قیام نبویؐ کی بحث وروایات میں جامع ندوی نے ارشاد نبوی کا موقع محل فتح مکہ اور ذوالحجہ دونوں کا بتا کر ابن حجر کی تطبیق کا ذکر کیا ہے اور آیت جاء الحق و زھق الباطل کے بارے میں روایت ابن سعد اور حدیث بخاری کا فرق دکھایا ہے۔ ۱/۳۶۷، حاشیہ: ۲) اشتہاریان قتل کی تعداد بقول مصنف دس اور پندرہ بہ تحقیق سید جامع اور بحوالہ مغلطائی نقل کر کے متعدد ارباب سیر کی تعدادیں بیان کی گئی ہیں اور ان کو غیر محتاطانہ کہا ہے۔ (۱/۳۷۱، حاشیہ ۵: اضافہ سید میں اور بھی نقد مصادر ہے)

ہجو یہ شعر گانے والی کے قتل پر شبلی نے روایت پر درایتی نقد کیا ہے کہ ’’محدثانہ‘‘ تنقید کی رو سے یہ بیان صحیح نہیں، اس جرم کا مجرم تو سارا مکہ تھا پھر ذاتی انتظام نہ لینے اور عفو عام نبوی کی روایات سے بحث کر کے مزید لکھا ہے کہ اگر درایت پر قناعت نہ کی جائے تو روایت کے لحاظ سے بھی یہ واقعہ بالکل نا قابل اعتبار رہ جاتا ہے، صحیح بخاری میں صرف ابن خطل کا قتل مذکور ہے اور عموماً یہ مسلم ہے کہ وہ قصاص میں قتل کیا گیا.... باقی جن لوگوں کی نسبت قتل کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کسی زمانہ میں آنحضرتؐ کو ستایا کرتے تھے وہ روایتیں صرف ابن اسحاق تک پہنچ کر ختم ہوجاتی ہیں یعنی اصول حدیث کی رو سے وہ روایت منقطع ہے جو قابل اعتبار نہیں ہے، ابن اسحاق کا فی نفسہٖ جو درجہ ہے وہ ہم کتاب کے دیباچہ میں لکھ آئے ہیں.....سب سے زیادہ معتبر روایت ابوداؤد کی روایت ہے (جس میں صرف چار اشخاص کے لیے امان نہ تھی) اور خود ابوداؤد کو اس کی مطلوبہ سند نہ ملی، اس کے رواۃ میں سے ایک منکر الحدیث اور دوسرا غیر قوی بتایا گیا ہے۔۔۔‘‘ واقعہ جس قدر اہم ہے اس کے لحاظ سے راوی کی اس قدر جرح بھی روایت کے مشکوک ہونے کے لیے کافی ہے‘‘۔ (۱/ ۳۷۲-۳۷۴ مع حواشی اور استدراکات واضافات جامع گرامی، حسب روایت وعقیدہ شبلی نے روایت منقطع کا سارا الزام ابن اسحاق پر رکھ کر ان کا درجہ ثقاہت تک خطرہ میں ڈال دیا۔ روایات کا ضعف اپنی جگہ مگر درایت اور شواہد سے یہ واقعہ ثابت ہوتا ہے کہ قتل صرف مجرموں کا ہوا تھا اور وہ چند تھے یہ بحث بھی دقیق ہے اور مزید تحقیق چاہتی ہے)

غزوہ حنین واوطاس وطائف: اول وہلہ میں ہزیمت، طلقائے مکہ کی عدم ثباتی، جدید الاسلام کی بے تدبیری وغیرہ پر شبلی کے تجزیاتی ودرایتی مباحث وبیانات پر جامع سید کے متعدد استدراکات و

اضافات ہیں اور بعض بعض خاصے مفصل بھی۔ ان میں حضرت مصنف کے اغلاق، غیر مسلم/کافر کی مراد وغیرہ شامل ہیں۔ (۱/ ۳۷۷ و مابعد مع حواشی۔ بیشتر سیرت نگار اس کا الزام طلقائے مکہ پر لگاتے ہیں لیکن وہ صحیح نہیں ہے۔ حالات اور حملہ کی سنگینی نے سب کے پیرا کھاڑ دیے تھے اور اس کی ابتدا مقدمہ لشکر کے پلٹ پڑنے سے ہوئی تھی مصادر سیرت اور تحقیقات جدید میں اس پر مفصل بحث ہے)

واقعہ ایلا و تخییر و مظاہرہ، سورہ تحریم کے حوالہ سے شہد نہ کھانے کی قسم نبوی پر بحث میں علامہ عینی نے شرح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی کمسنی اور ازواج دیگر کے رشک کی تدبیروں کی تشریح پر نقد شبلی ہے کہ "علامہ موصوف کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے۔ اول تو یہ واقعہ ایلاء کے سلسلہ میں ہے جو ۹ھ میں واقع ہوا تھا۔ اس وقت حضرت عائشہؓ سترہ برس کی ہو چکی تھیں، دوسرے حضرت عائشہؓ کم سن تھیں لیکن اور ازواج مطہرات جو اس میں شریک ہوئیں وہ تو پوری عمر کی تھیں۔ خود حضرت حفصہؓ کی عمر آنحضرتؐ کی شادی کے وقت ۲۱ ر برس تھی۔ ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی.... لیکن ازواج مطہرات کا ایکا کرنا بظاہر محل اعتراض ہوسکتا ہے، لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہیں کہ ازواج مطہرات معصوم تھیں یا اپنے انجاح مقصد کے لیے جائز وسائل نہیں اختیار کرتی تھیں"۔ (۱/۳۹۱۔۳۹۲؛ شبلی کے نقد میں ازواج مطہرات کے ایکا کرنے کو انجاح مقصد کا ایک جزو/ وسیلہ مانا گیا ہے۔ وہ دراصل کئی واقعات اور ان کے بہت سے اسباب کا معاملہ تھا اور یہ بحث تحقیق طلب ہے)

شبلی نے درایت و روایت دونوں کی مضبوط بنیادوں پر اپنے موقف کو ثابت کیا ہے کہ یہ تینوں واقعات۔ ایلا و تخییر اور مظاہرہ "ہم زمان اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ روایتی طور سے بخاری کی حدیث حضرت ابن عباسؓ (باب موعظة الرجل لابنته) حافظ ابن حجرؒ کی شرح ورائے اور سورہ تحریم سے کی ہے۔ درایتی تجزیہ روایات سے بتایا ہے کہ ازواج کے ذریعہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھیں اور حضرت ماریہ قبطیہؓ کی علاحدگی نہیں۔ شبلی نے اس پر ایک ادبی طنزیہ شاہکار لکھا ہے: ".... یہ ایسی کیا اہم باتیں تھیں اور حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ کی کسی قسم کی سازش ایسی کیا پرخطر ہوسکتی ہے جس کی مدافعت کے لیے ملأ اعلیٰ کی اعانت کی ضرورت ہو"؟ مصنف سیرت نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ بعضوں کا قیاس اور خیال کہ وہ ان ازواج مطہرات کے ذریعہ حضرات شیخینؓ کو اشتعال دلا کر رسول پاکؐ کے خلاف کر دیں قطعی غلط ہے۔ "ان واقعات میں کذابین روایت نے اس قدر تلبیسات اور خداعیاں

کی ہیں کہ بڑے بڑے مورخین اورارباب سیر نے اپنی تصانیف میں اسناداً درج کردیں"۔ پھر بہت تفصیل سے ان پر روایتی ودرایتی بحث کی ہے اوران کی کمزوری اورناقابل اعتبار حیثیت واضح کی ہے۔ یہ پوری بحث شبلی ایک مفصل درایتی تجزیہ ہے۔(۱/ ۳۹۰-۴۰۰ مع حواشی)

غزوہ تبوک، رجب ۹ھ/نومبر ۶۳۰ء: آخری غزوہ نبوی کے مبحث میں شبلی کی درایتی تحلیل کے متعدد جواہر موجود ہیں جیسے: غسانی حاکم اور قیصر روم کا ماتحت وباج گزار عرب حکمراں دونوں مل کر اسلامی ریاست کے خلاف ریشہ دوانیاں اور جنگی کارروائیاں کرتے رہے تھے اور جنگ کرنے کے بھی درپے تھے۔ مصنف گرامی نے روایت غزوہ کے علاوہ حضرت کعب بن مالکؓ کے نام رئیس غسان کے اشتعال انگیز خط سے اس کو مدلل کیا ہے۔(۱/ ۴۰۱، حاشیہ ۲ بحوالہ زرقانی از ابن جریر ۳/ ۹۱)

غزوات پر دوبارہ نظر: سیرۃ النبی کا آخری مبحث جلد اول ہے اور وہ بقول شبلی سرتاپا درایتی تجزیہ وتحلیل کا ایک شاندار تاریخی فن پارہ ہے روایتی علماء سیرت اور دوسرے غیر مورخ ناقدین فن نے اس کی قدر وقیمت نہیں پہچانی۔ شبلی نے غزوات کے اسباب ومقاصد پر مدلل ومفصل بحث کی ہے"جن کو غیر مذہب والوں، بدنیتوں، نیک نیتوں، دوستوں اور دشمنوں میں سب نے غلط سمجھا ہے۔ ان کے غلط سمجھنے کے اسباب ایسے ہیں کہ ہم ان کو معذور رکھ سکتے ہیں"۔ اس بحث کے اہم ترین عناوین ہیں۔ ۱-عرب اور جنگ وغارت گری، غنیمت کا مفہوم لوٹ کا مال، غزوہ کا مفہوم۔ ۲-ثار کا عقیدہ۔ ۳-لوٹ کا مال، غنیمت سے شغف اور اسے کم کرنے کی سعی نبوی، جہاد فی سبیل اللہ۔ ۴-جنگ میں وحشیانہ افعال کا تدارک۔ ۵-غزوات نبوی کے اسباب وانواع، سرایا صرف فوجی مہمیں نہ تھیں، مختلف المقاصد تھیں۔ خبررسانی، دوستی، معاشی روک ٹوک مدافعت اور تبلیغی۔ غزوہ کی دو قسمیں: دارالاسلام پر حملہ کا دفاع اور پیش قدمی کرکے دشمن کے حملہ/منصوبہ کو ختم کرنا۔ اسی میں سرایائے نبوی پر مختصر مگر جامع اور اصولی ودرایتی بحث شبلی ہے جو ان کی انواع کے تحت ہے۔ ۶-جنگی اصلاحات نبوی: لڑائی عبادت بن گئی، جہاد فی سبیل اللہ کے تصور وعمل سے۔ ۷-فاتح اور پیغمبر کا امتیاز۔(۱/ ۴۰۸-۴۴۲، حواشی و متون دونوں میں کتب سیرت وحدیث کے بکثرت حوالے ہیں)

سیرۃ النبیؐ جلد دوم کے مباحث نقد ونظر: امام شبلی وجامع ندوی کی مصنفہ ومرتبہ جلد دوم اپنی تصنیفی منزلت اور فنی مرتبت میں سیرۃ النبی اول سے جامع تر اور وسیع وبلند تر ہے۔ اولین جلد واقعات

سیرت کا ایک تاریخی ارتقا اور توقیتی نشو ونما بیان کرتی ہے اور اس کا تتمہ وتکملہ جلد دوم پیش کرتی ہے۔ وہ سیرت نبوی کا عطر مجموعہ بھی ہے۔ ان دونوں جلدوں کے فنی، دینی، سیرتی اور اسلامی عطایا کا ایک تقابلی مطالعہ ایک جداگانہ تحقیق کا موضوع ہے جو ابھی تک محققین وعلماء پر قرض ہے۔ جلد دوم کے روایتی مباحث میں قریب قریب تمام ابواب شامل ہیں کیونکہ وہ مختلف مآخذ کی روایات واحادیث کے تجزیاتی مطالعہ کے بعد ایک ایک باب میں گوندھے گئے ہیں، ان میں سے بیشتر مصنف کے مرتبہ ابواب ہیں اور بعض ناقص ابواب میں ان کے تشنہ مباحث ہیں کہ وقت ستم گر اور دوسری بلاؤں نے ان کو تکمیل کی مہلت نہ دی اور ان کے جامع شاگرد نے ان کو اپنے تجزیاتی مطالعہ ونگارش سے مکمل کیا اور جامع کا کمال یہ ہے کہ استاذ امام کے خاکے کے مطابق کیا۔ جامع سید سلیمان ندوی کے بعض بعض اضافات اور تکملہ کامل ابواب وزیادات کی صورت اختیار کر گئے کہ استاذ امام نے صرف عناوین ہی لکھے تھے جیسے اولین باب: اسلام کی امن کی زندگی (صفحہ ۱-۸) اضافہ سلیمانی ہے یا تاسیس حکومت الٰہی وغیرہ۔ اس موضوع پر علاحدہ تحقیقی مقالے میں بحث کی گئی ہے۔ شبلی کے مصنفہ ومرتبہ ابواب میں تبلیغ واشاعت اسلام میں عرب کے قبائل اور دوسرے لوگوں کے اسلام لانے کا ایک مجموعی بیان ہے جو مقامات ومقاصد بھی بتاتا ہے۔ وفود عرب کا ملحقہ باب بھی اسی طرح کا جامع باب مصنف ہے، مذہبی انتظامات کا متعلقہ باب بھی قلم مصنف سے ہے اور تاسیس وتکمیل شریعت کا باب بھی سوائے افتتاحی پیروں کے۔ اسلامی تعلیمات کے بعد شبلی نے تاریخی توقیت کے لحاظ سے سال اخیر کے واقعات میں حجۃ الوداع، اختتام فرض نبوت، وفات، متروکات، شمائل، معمولات، مجالس نبوی، عبادت نبوی، اخلاق نبوی لکھے اور ان کا سلسلہ خاندان نبوت سے جوڑا اور ازواج مطہرات اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کا آئینہ دکھایا، یہ تمام ابواب خالص روایتی ودرایتی مباحث ہیں کہ وہ متعلقہ روایات واحادیث واخبار کی معلومات کو یکجا کر کے مرتب کیے گئے ہیں۔ ابواب شبلی میں خاص خاص مباحث وموضوعات پر ان کے روایتی اور درایتی تنقیدات ومعارضات کا وہی طریقہ یگانہ ملتا ہے جو جلد اول کے سیرتی مباحث میں تھا۔

احادیث وروایات کا اخذ وقبول: ان میں ایک طریق نقد وتبصرہ ہے جو شبلی نے مختلف مصادر سیرت کی تدوین وجمع میں اپنے اخذ وانتخاب خاص کی خاطر اپنایا تھا اور ان کے مصادر پر محاکمہ پیش کیا تھا جیسے صحیحین میں سے بخاری کی پوری روایت وقصہ اسلام حضرت ابوذر غفاریؓ نقل کیا اور صحیح

مسلم سے موازنہ حاشیہ کر کے بتایا کہ اس میں بہت سی باتیں زائد اور مختلف ہیں اور پھر حافظ ابن حجرؒ کی تطبیق کا بھی ذکر کیا ہے (۲/ ۱۳، حاشیہ ۱۔۲ بحوالہ مختلف ابواب صحیحین و فتح الباری)

حضرت علیؓ کی مہم یمن کا واقعہ تفصیل سے ابن سعد سے لیا ہے اور تمام حدیث کی کتابوں میں اسے تشنہ پایا۔ آگے مختلف روایات بخاری کو یکجا کرنے کا طریق حاشیہ میں واضح کیا ہے۔ (۲/ ۲۳، حاشیہ: ۱ اور ۴)

بحرین کے قبیلوں عبدالقیس، بکر بن وائل اور تمیم میں اول الذکر کے قبول اسلام کا ذکر زرقانی سے بحوالہ کرمانی متن میں لکھا ہے اور حاشیہ میں صراحت کی ہے کہ بخاری کی روایات، جو کتاب الایمان، کتاب العلم اور کتاب المغازی کے مختلف ابواب میں اس باب خاص میں ہیں، وہ ان کے زمانہ اسلام کے وقت کا تعین خاص سفارت، وفد عبدالقیس سے قبل کا کرتی ہیں، پہلی سفارت چھٹی ہجری سے پہلے کی تھی، اصابہ، زرقانی اور مسند ابن راہویہ کے اختلاف روایات وغیرہ پر کلام بھی درایتی ہے۔ (۲/ ۲۵، حاشیہ: ۱)

اسلام و فضائل اشعریین کے باب میں صحیح مسلم کی روایت بیان کر کے تصریح کی ہے کہ صحیح بخاری میں وارد روایت سے ان کے رقت قلب کا ذکر ملتا ہے۔ (۲/ ۳۲)

متعدد دوسرے واقعات و مباحث میں اسی طرح شبلی تفصیل کسی ایک ماخذ سے بیان کرتے ہیں اور دوسرے کا نقص بیان یا اختلاف واضح کرتے ہیں جیسے وفد ثقیف میں طبری سے تفصیل کا اور ابن ہشام کے اختلاف نام کا ذکر کیا ہے اور دوسرے مآخذ کا بھی (۲/ ۳۸، ۲/ ۴۱، صحیحین کی روایات کا فرق و اختلاف وفد ربیعہ اور ان کے برتنوں وغیرہ کے بارے میں ظاہر کیا ہے۔ ۲/ ۴۲، حاشیہ ۳، عام واقعات ابن اسحاق، زرقانی اور ابن ہشام سے منقول ہیں اور صرف ایک واقعہ بخاری سے ۲/ ۶۸، اشعری وفد یا دوسرے وفود کی تعداد کا اختلاف صحیح بخاری وغیرہ سے ظاہر کیا ہے)

درایت کی بنا پر روایت و واقعہ کی تعین مقصود: شبلی نے سرایائے نبویؐ کے باب و بحث میں یہ تحقیق کی ہے کہ اشاعت اسلام کی غرض سے جو جماعت دعاۃ بھیجی جاتی تھی اس کو خطرات کے پیش نظر مسلح کر دیا جاتا تھا اور ان کے شرکاء سے قرآن پڑھوا کر سنایا جاتا تھا اور جو سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتا اسے امیر بنایا جاتا۔ تاریخ طبری میں اشاعت اسلام کے مقصود کی تشریح نہیں لیکن شبلی نے قرآن کے حفظ کا امتحان لینے کے واقعہ پر درایتی لحاظ سے قرائن کی بنا پر اسے تبلیغی جماعت قرار دیا (۲/ ۱۸۔۲۳

ومابعد، خاص تبلیغ اسلام کے لائق اور اسلامی تعلیمات کے ماہرین کی ''تفحص'' سے دعاۃ کی جدولیں متن میں دی ہیں اوران کومختلف مصادر سے جمع کیا ہے)۔

روایات اورراوی کے خیال وحسن ظن پر درایتی محاکمہ: شبلی نے احادیث وروایات میں راوی کے اضافہ/ ادراج سے دونوں جلدوں میں برابر بحث کی ہے اور پوری پوری روایت کوغیر صحیح بتایا یا ان میں کسی صحیح روایت میں کسی راوی بالخصوص اول کے حسن ظن پر درایتی طنز کیا ہے جیسے یمن کے قبیلہ ہمدان کے مبلغ ومجاہد اسلام حضرت علیؓ کے ڈر سے قبول اسلام کی روایات، شبلی نے صرف صحیح روایت متن میں دی ہے اور حاشیہ ا، میں ان غیر صحیح روایات کے ترک کا ذکر مع نقائص کیا ہے اور مواہب اللدنیہ سے زرقانی کا مقصود روایات بتایا ہے (۲/۲۱۔۲۲، حاشیہ ا ثقیف وہمدان کو جنگ وقتال کرنے کی ہدایت نبویؐ کوقطعاً غلط قرار دیا ہے جیسا کہ ابن قیم نے لکھا ہے۔ دونوں قبیلے جغرافیائی لحاظ سے شمال وجنوب میں تھے۔ ایسا حکم تو دو پڑوسی قبیلوں کو دیا جاسکتا تھا۔ یہ خاص درایتی استدلال ہے)

عام مصادر سیرت پر درایتی نقد: ''....یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ایک ایک غزوہ کی تفصیل سینکڑوں صفحات میں ہے لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ کے متعلق دودو چار سطروں سے زیادہ واقعات نہیں ہیں۔ وہ بھی اس طرح کہ جب کوئی سنہ ختم ہوتا ہے تواس قدر لکھ دیتے ہیں کہ اسی سال فرض نماز کی رکعتیں دو سے چار ہوگئیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدانخواستہ ارباب سیر دیگر فرائض کی اہمیت اور عظمت پیش نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ غزوات کی مصروفیت.... اکثر فرائض دیر سے فرض ہوئے اور جو پہلے فرض ہوچکے تھے ان کی تکمیل بھی بہ تدریج اسی زمانہ میں ہوتی رہی....''۔ (۹/ ۷۷۔۷۹: فرضیت ارکان اربعہ وغیرہ پر شبلی اوران کے جامع گرامی سے راقم خاکسار کو اختلاف ہے اور بحث کے لیے مکی عہد نبویؐ میں اسلامی احکام کا ارتقا کا مطالعہ کرنے کی التماس ہے)

واقعہ قرطاس پر بحث، مصادر سیرت وحدیث دونوں کی بنا پر مرض الوفات میں وفات سے چار دن قبل جمعرات کو آپ نے دوات وکاغذ طلب کیا تا کہ گمراہی سے بچنے کے لیے ایک تحریر لکھ دیں۔ صحابہ میں اختلاف ہوا اور شوروغل کی وجہ سے آپ نے ارادہ ترک کردیا، اکابر کا احساس تھا کہ آپ کو مزید تکلیف نہ دی جائے۔ کسی نے ہجر (ہذیان) کا خیال ظاہر کیا اور بعض رواۃ نے اس کا الزام حضرت عمرؓ کے سر دھر دیا۔ شبلی نے بدلائل روایتی ودرایتی محاکمہ کرکے واضح کیا ہے کہ حضرت فاروقؓ اس کے قائل

نہ تھے، نہ صحابہ ہذیان کا خیال بھی لا سکتے تھے۔شبلی نے قرطاس کے واقعہ کا اصل مقصود بتایا ہے کہ وہ کسی طرح ایمانی اور ضروری طلب نہ تھی۔(۲/۱۳۶-۱۳۷ مع حواشی، مفصل بحث کے لیے شبلی، الفاروق، بحث واقعہ قرطاس، نیز خاکسار راقم کا مقالہ اسی عنوان پر عالمی السیٹر کراچی ۲۰۱۴ء۔تمام متعلقہ احادیث بخاری و مسلم اور مباحث ابن حجرؒ وغیرہ محدثین کرام کا تجزیہ کر کے شبلی نے توقیت یوم کی ہے، ہجر کے قائل کی تشخیص کی ہے اور تعارض روایات پر محاکمہ کیا ہے)

معارض روایات پر محاکمہ، مصنف گرامی اور ان کے جلو میں حضرت جامع نے متصادم روایات پر نقد درایتی کرتے ہوئے صحیح کو قبول اور مرجوح یا غلط کو مسترد کیا ہے جیسے سورہ نصر کے نزول کے باب میں واحدی کی اسباب النزول کی روایت کہ وفات سے دو برس پہلے اتری اور ابن قیم کی روایت مکہ کہ ۱۰ھ میں اتری کا تعارض بیان کر کے دوسری روایت کا ضعف ابن حجر و زرقانی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔سیوطی اور عبدالرزاق کے اتفاق سے واحدی کی روایت کو ترجیح دی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔"سورہ کا طرز بیان ظاہر کر رہا ہے کہ وہ فتح مکہ کے متصل ہی اتری ہے.... بقیہ روایات نزول روایت و درایت دونوں حیثیتوں سے ضعیف ہیں"۔(۲/۱۱۶؛ حاشیہ ۲، ابن قیم کی روایت اصلاً بیہقی کی روایت بھی بتائی ہے)

حج نبوی کی روایات پر ابن ماجہ سے نقل کیا ہے کہ ہجرت سے قبل آپ نے دو حج فرمائے۔ جن حدیثوں میں ہے کہ آپ نے صرف ایک ہی حج کیا تھا اس سے مقصود ہجرت ہے"۔(۲/۱۱۷؛ حاشیہ ۱، اسلامی احکام کا ارتقا، باب حج و عمرہ؛ مکی زندگی میں آپ نے متعدد حج و عمرے ادا کیے تھے)

حجۃ الوداع کے بارے میں متعدد کتب حدیث و سیرت سے روایات نقل کی ہیں اور ان میں محاکمہ بھی کیا ہے۔(۲/۱۱۷-۱۳۰ مع حواشی مفیدہ:)۔محاکمہ درایتی کے خاص امور ہیں: روایات میں نقص و تشنگی، کسی خاص ماخذ میں تفصیل، تعداد شرکاء/حجاج کم و بیش ایک لاکھ شامل تھے، مختلف ماخذ سے خطبات نبویؐ یا خطبہ منیٰ کے مختلف حصوں کے جمع و تدوین شبلی، ۲/۱۱۹-۱۲۰: روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا، ۹/ یوم عرفہ، ۱۰/ یوم النحر، ۱۱/ یا ۱۲/ کو ایام تشریق میں۔"ان خطبوں میں بعض باتیں اصولی طور پر مشترک ہیں اور بعض مختص المقام ہیں..."۔بعض بعض فقرے جملے مکرر ارشاد فرمائے بحوالہ محدثین عام اور ابن تیمیہ منتقی الاخبار؛ موخرالذکر خاص ماخذ شبلی ہے۔نیز ۲/ ۱۲۸ وما بعد مع حواشی جن میں مختلف مقامات، مزدلفہ، عرفات و منیٰ میں نمازوں کی ادائیگی سے متعلق

روایات پر بحث ہے۔ اخیر میں شبلی تصریح ہے ۲/ ۱۳۰، حاشیہ ۲، ''حجۃ الوداع کے تمامتر واقعات صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور نسائی سے لیے گئے ہیں....''۔

زمانہ بیماری میں نماز کی امامت اور حضرت صدیقؓ کی نیابت پر شبلی نے جمعرات کے دن آپ کے شریک جماعت ہونے کو راوی کا سہو قرار دیا ہے اور شافعی، ابن سعد پر نقد کیا ہے۔ دوسرے مرض الوفات کے واقعات میں اول بحث لشکر اسامہ بن حارث سے متعلق ہے لیکن حاشیہ ۲، کا اضافہ سلیمانی ہے جس میں حضرات شیخینؓ کی شرکت پر بحث ہے (۲/ ۱۳۲، حاشیہ ۲۔ شبلی کے حاشیہ ۳، میں ابتدائے مرض کے دن، مدت علالت اور تاریخ وفات کی تعیین میں اختلاف روایات ہے لیکن چند امور پر اتفاق ہے۔ اختلافی امور پر تجزیہ روایات کر کے چہار شنبہ کو علالت کا آغاز اور ۱۳ دن مدت علالت اور وفات کی ارباب سیر کی متصادم روایات میں ۱۲/ ربیع الاول کی روایت کو قطعاً نا قابل تسلیم قرار دیا ہے کہ اس دن دوشنبہ نہیں پڑتا جو سب میں متفقہ امر ہے۔ ایک مفصل بحث اور تاریخ جدول کے مشکل باب کے بعد شبلی کا خیال ہے کہ ''....وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول ۱۱/ ہجری ہے....'' ۲/ ۱۳۴ حاشیہ: ۱، ماقبل صفحہ سے، مرض الوفات میں نمازوں میں شرکت وعدم شرکت کی روایات مختلفہ پر بحث کر کے درایتی نقد و تبصرہ کیا ہے۔ ۲/ ۱۴۰-۱۴۱، حاشیہ خاص ۳، درایتی بحث کے لیے وقت وفات پر درایتی محاکمہ کیا ہے کہ دوشنبہ کے اخیر دن میں وفات پائی اور روایات ابن اسحاق، بخاری، ابن ماجہ کے اختلاف کے بارے میں ابن حجر کی تطبیق سے بحث کی ہے۔ (۲/ ۱۴۲ حاشیہ: ۲-۳)

تدفین صحیح روایات ابن سعد کے مطابق سہ شنبہ کو ہوئی، بقیہ روایات تمام تر کذب اور جھوٹ ہے البتہ تدفین سے فرصت چہار شنبہ کی شام کو ہو سکی۔ ۲/ ۱۴۳؛ حاشیہ ۲؛ قبر میں اترنے والے اور آخری دیدار کرنے والے کی معارض روایات میں اور قبر میں اتارنے والوں کی تشخیص پر لکھا ہے کہ ''ارباب نظر جانتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں ترجیح کس کو حاصل ہے''۔ حاشیہ ۸، متن میں شبلی نے حضرت اسامہ بن زیدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے قبر میں اتارنے والی روایت کو ترجیح دے کر یہ درایتی جملہ لکھا ہے۔

متروکات نبویؐ: اس باب جامع میں شبلی نے جو روایتی اور درایتی نقد مصادر کیا ہے وہ ان کی بالغ نظری اور تبحر نقد کے شاہکار ہیں جیسے:

فرمان نبوی لانورث ماترکنا صدقۃ کی بابت لکھا ہے کہ یہ فقرہ تمام حدیث کی کتابوں میں

ہے، بخاری کے متعدد مقامات میں ہے۔۲/ ۱۴۵ حاشیہ ۱۔ باغات مدینہ جو ہدایائے مخیریقؓ وغیرہ کے تھے یا بنوالنضیر کے مال سے تھے ان کو اپنی زندگی ہی میں مستحقین میں تقسیم فرمادیا تھا۔(ایضاً)

فدک اور خیبر کی جائدادوں کے بارے میں شیعہ اور اہل سنت کے اختلاف سے بحث شروع کی کہ اول الذکر ذاتی جائداد سمجھتے ہیں اور موخرالذکر والی کی وراثت اور خود اسے دوسرے نقطہ نظر کے مطابق فیصل کیا ہے۔ البتہ اختلاف کا سراغ صحابہ کرام کے زمانہ سے لگایا ہے کہ حضرت عباس اور حضرت فاطمہؓ اسے ذاتی جائداد قرار دے کر اہل بیت کو دینے کے وکیل تھے اور حضرت شیخین و اکابر صحابہ اسے وقف عام سمجھتے تھے اور سرکاری ملکیت قرار دیتے تھے۔ اسی پر خلفاء اسلام کا عمل رہا۔(۲/ ۱۴۶ معہ حواشی، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے زمانے میں باغات فدک کی تولیت سادات کو دی گئی تھی نہ کہ ملکیت جیسا کہ متن میں اظہار ہے۔ حاشیہ:۶ سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے)

مویشی/ جانور کے ترکہ کی درایتی بحث میں شبلی نے طبری پر نقد کیا ہے کہ ’’اگر وہ قابل اعتبار نام ہوتے تو حقیقت میں نہایت دلچسپ تھے لیکن اس کے متعلق طبری کی جس قدر روایتیں ہیں سب بلا استثنا واقدی سے ماخوذ ہیں‘‘۔ پھر پچھلے مصنّفین پر جن میں بڑے بڑے محدثین مثلاً یعمری، مغلطائی، عراقی وغیرہ شامل ہیں بلا سند بیان کرتے ہیں اور لوگ ان کو صحیح سمجھتے ہیں لیکن تفتیش سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سلسلہ سند واقدی سے آگے نہیں بڑھتا‘‘۔(۲/ ۱۴۷، حاشیہ متن میں ہے بحوالہ ابوداؤد، صحیح بخاری وغیرہ۔ ’’اتنی بڑی فہرست جو طبری وغیرہ نے درج کی ہے اور جو ایک تاج دار سلطنت کے شایان حال ہے کیوں کر تسلیم کی جاسکتی‘‘۔ متروکات میں صرف ایک جانور تسلیم کیا ہے اور احادیث صیحہ کے استقراء سے چند دوسرے متروکات مانے جاتے ہیں۔ اس طرح دوسرے تمام متروکات، اسلحہ، آثار متبرکہ میں لباس وغیرہ مسکن مبارک، دایہ خدام خاص۔ کے مباحث میں روایات واحادیث پر نقد موجود ہے۔(۲/ ۱۴۷۔ ۱۵۳ مع حواشی)

شمائل کے باب میں شبلی نے مختلف کتب حدیث وسیرت کی روایات سے بحث کی ہے اور درایتی وروایتی نقد حضرت جامع کیا ہے(۲/ ۱۵۴۔ ۱۶۵ مع حواشی لیکن بعض بعض معاملات پر شبلی کا نقد متن میں موجود ہے جیسے معمولات طعام میں گوشت کو چھری سے نہ کاٹنے کی ہدایت بروایت ابوداؤد کو ضعیف کہا ہے اور خود امام حدیث کا تبصرہ نقل کرکے یہ دلچسپ درایتی تبصرہ کیا ہے کہ ’’اس حدیث کے ایک

راوی ابومعشر نجیح ہیں جن کی نسبت بخاری نے لکھا ہے کہ وہ منکرالحدیث ہیں اوران ہی منکرات میں سے یہ بھی ہیں"۔۲/۱۶۰دوسرے معاملات میں کتب حدیث کے بہت سے حوالے ہیں اوران پر بحث بھی ہے۔

معمولات کے مبحث میں مصادر کی روایات بالخصوص کتب حدیث کی احادیث کا ایک گراں قدر خزینہ ہے لیکن نقد وتبصرہ نہیں ہے۔(۲/ ۱۶۶۔۱۷۶)البتہ اس میں مختلف مصادر کی روایات و احادیث کے اخذ وقبول کا سلسلہ شبلی ملتا ہے۔

مجالس نبوی کا باب بھی احادیث و روایات کا ایک اہم مجموعہ اور تجزیاتی بحث ہے اور نقد و استدراک سے خالی ہے(۲/ ۱۷۷۔۱۸۴)مختلف کتب حدیث سے اخذ وقبول روایات کے بارے میں شبلی کی یہ نشاندہی ان کے تبحر کی دلیل ہے کہ کون سا حصہ کس مصدر سے لیا ہے اوراصل ماخذ کو بھی بتایا ہے۔

اخلاق نبوی کے باب میں کتب حدیث سے احادیث لینے کے ضمن میں یہ ضرور بتاتے ہیں کہ بخاری سے کتنا مواد لیا ہے اور مسلم سے کتنا اور دوسروں سے کس قدر(۲/ ۲۲۵۔۳۱۹)حواشی میں بالخصوص یہ تشریح شبلی ملتی ہے کہ اس باب میں اور دوسرے ابواب میں کس مصدر نے کتنا مواد جمع کیا اور کون سا ماخذ تشنہ ہے۔

ازواج مطہرات اوراس کے تکملہ ازواج مطہرات کے ساتھ معاشرت(۲/۳۲۰)میں اول الذکر سیدھا تاریخی بیانیہ ہے جبکہ دوسرے اور تکمیلی باب میں روایات واحادیث پر روایتی ودرایتی تبصرے اور جائزے بھی ہیں،مثلاً آیت حجاب کی شان نزول میں اختلاف کا ذکر کر کے حافظ ابن حجرؒ کی ان میں تطبیق دینے کی طریقت کی تحسین کی ہے کیونکہ اس کے نزول کے اسباب متعدد تھے،حضرت حفصہؓ کے نکاح کے باب میں ان کے شوہر کی وفات کی تعیین کی ہے کہ وہ غزوہ بدر کے بعد ہی واصل بحق ہوئے تھے اور نکاح نبوی ۳ھ میں ہوا ورنہ ۴ھ میں ہوتا۔اسی میں ایک حاشیہ میں تنبیہ کی ہے کہ"ازواج مطہرات میں اس قسم کی روایتیں صرف حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کے متعلق مذکور ہیں۔اس کے اسباب کی تلاش کرنی چاہیے، حضرت ابوبکرؓ،حضرت عمرؓ کے ساتھ منافقین کو جو عداوت تھی وہ قابل لحاظ ہے"۔ازواج مطہرات کی تاریخ ہائے وفات میں مختلف ومتصادم روایات میں سے کسی ایک کو درایتی ترجیح دی ہے جس طرح حضرت علیؓ کے قبول اسلام کی تاریخ یا سن دس سال کا بتایا ہے اور آٹھ سال والی روایت مسترد کی ہے(۲/۳۴۳، حاشیہ ۲)ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ کی ترجیح کے وجوہ واسباب سے درایتی بحث بھی کی ہے۔

غیر مسلم مصنّفین اور سیرت نبوی ﷺ

ڈاکٹر شمس بدایونی

اسلامی علوم فنون پر یورپ کے مصنّفین بالخصوص مستشرقین کی قابل ذکر خدمات ہیں، ہمارے ملک ہندوستان کے غیر مسلموں نے بھی ان علوم وفنون پر توجہ کی ہے اور اسلامی علم وفن کے مختلف شعبوں پر لکھنے لکھانے کا سلسلہ جاری رکھا ہے، لیکن وہ بالعموم معیار کی اس سطح تک نہیں پہنچ سکے جہاں یورپ کے مصنّفین اور مستشرقین پہنچے اور علمی تاریخ کی ضرورت اور اس کا حصہ بن گئے۔ (اگرچہ نیت ان کی ٹھیک نہ تھی) زیر نظر مضمون میں سیرت رسولؐ سے متعلق غیر مسلموں کے صرف تین رسائل کا تعارف مقصود ہے۔

سیرت رسولؐ کی طرف ہندوستانی غیر مسلموں کی دلچسپی کی متعدد وجوہ ہیں، جو ان رسائل کے مطالعے سے معلوم ہوتی ہیں:

اول: ایک بڑے عالم گیر مذہب کے پیغمبر، ان کے لفظوں میں بانی اسلام، اوتار یا انقلابی پُرُش، جنھوں نے ۲۳ سال کی مختصر مدت میں سماج سے برائیوں کے مٹانے اور نیکیوں کی طرف راغب کرنے کا کام انجام دیا اور ایک پرماتما کو ماننے کی تلقین کی، جو کسی حد تک ویدک فلسفۂ توحید کے قریب تر ہے۔

دوم: ایک ایسے پُرش جنھوں نے انسان کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی، عورتوں کے ازدواجی اور وراثتی حقوق بحال کیے، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور انسانوں کو غلام بنانے کی پرتھا کو ختم کیا اور سارے دوسرے مذاہب کا احترام کرنا سکھایا۔

سوم: مذہبی یکجہتی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب پر بھی فراخ دلی سے لکھا جائے اور ان کی اچھی تعلیمات کا دل کھول کر اعتراف کیا جائے۔ ہندو مسلم منافرت کے سیلاب پر

۵۸، نیو آزاد پورم کالونی، عزت نگر، بریلی، یوپی، ۲۴۳۱۲۲۔ (Mob: 09837092245)

باندھ باندھا جائے اور قدیم گنگا جمنی تہذیب کو پھر سے زندہ کیا جائے۔

ہمارے پیش نظر جو تین کتابیں ہیں، ان کے لکھنے کا اصل محرک تو تیسری شق ہی ہے لیکن شق اول ودوم کی بھی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ یہ جس دور میں لکھی گئیں وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان سخت مذہبی کشاکش کا دور تھا۔ یہ کشمکش عیسائی مشنریز (حرکت عمل ۱۸۲۳ء)، آریہ سماج تحریک (قیام ۱۸۷۵ء)، اکھل بھارتیہ ہندومہاسبھا (قیام ۱۹۱۵ء)، شدھی سنگٹھن (قیام ۱۹۲۳ء) اور آر ایس ایس (قیام ۱۹۲۵ء) کا ثمرہ تھی، جس کے زیر اثر ہتک آمیز کتب ورسائل لکھ کر اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف محاذ آرائی کا دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ بعد میں اس نے ایک مناظراتی صورت اختیار کر لی۔ عیسائیوں کے اعتراضات کا مولانا رحمت اللہ کیرانوی (ف ۱۸۹۱ء)، مولانا قاسم نانوتوی (ف ۱۸۸۰ء)، ڈاکٹر وزیر خاں، مولانا رحم علی منگلوری، مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی (ف ۱۹۰۳ء)، مولانا سید محمد علی مونگیری (ف ۱۹۲۷ء) اور بعض دوسرے علماء نے رد اور ان کی سازشوں کا بھرپور دفاع کیا۔ قاموس الکتب جلد اول (کراچی ۱۹۶۱ء) میں ''مناظرۂ نصاریٰ'' کے تحت (ص ۷۹۴ تا ۷۹۹) ۵۵ کتب اور ''ردمناظرۂ نصاریٰ'' کے تحت ۲۷۵ کتب ورسائل (ص ۸۰۰ تا ۸۲۸) کا اندراج ملتا ہے۔

مسلمان ابھی عیسائیوں کے نرغے سے نکل بھی نہیں پائے تھے کہ عیسائیوں کی شہ پر آریہ سماجیوں نے ان پر حملہ بول دیا، انہوں نے منظم منصوبہ بندی کے تحت مسلمانوں کے عقائد، ان کے پیغمبر اور ان کی آسمانی کتاب کو نشانۂ ملامت بنایا۔ اسی کے نتیجے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان نفرت پروان چڑھی اور فاصلے بڑھتے گئے۔ قاموس الکتب ج ۱ میں ''مناظرہ آریہ'' عنوان کے تحت ۲۷ کتب (۸۲۹ تا ۸۳۱) اور ''ردمناظرۂ آریہ'' عنوان کے تحت ۸۲ کتب (۸۳۲ تا ۸۳۸) کا اندراج ملتا ہے۔ ۱۹۲۳ء کے بعد کے عرصے میں ''شدھی کرن'' کے عمل میں اضافہ کے ساتھ ملک میں بلوے شروع ہو گئے۔ گاندھی جی نے بلووں پر قابو پانے کے لیے ۲۱ دن کی فاقہ کشی کی جس کے نتیجے میں عارضی طور پر ہندو اور مسلمانوں کی چپقلش کچھ کم تو ہوئی لیکن ختم نہ ہو سکی۔

۱۹۲۴ء میں آریہ سماج تحریک کے مبلغ یعنی مہاشے اور روزنامہ ''پرتاپ'' لاہور کے مدیر ''مہاشے کرشن'' (رادھا کرشن بی اے) (ف ۲۵/فروری ۱۹۶۳ء) نے ''رنگیلا رسول'' (مطبوعہ لاہور ۱۹۲۴ء) لکھ کر مذہبی انتہا پرستی کی حدود کو پار کر دیا تھا۔ اس کتاب کے بقول مولانا راشد کاندھلوی دس بارہ

جوابات لکھے گئے، معروف جواب مولانا ثناء اللہ امرتسری کا باسم ''مقدس رسولؐ'' (ناشر دفتر اہل حدیث امرتسر ۱۹۲۵ء) ہے، لیکن یہ آگ اس کتاب کے ناشر راج پال کے قتل سے بجھی۔ چونکہ کتاب پر مصنف کا نام شائع نہیں ہوا تھا لہٰذا مصنف کا سراغ بڑے عرصے کے بعد لگ سکا۔ ایسے ماحول میں وہ ہندو اہل قلم جو دوسرے مذاہب کا احترام کرتے تھے اور اسی جذبے کے تحت مسلمانوں کے دین کے بارے میں بھی ایک مثبت رائے رکھتے تھے، انہوں نے قلم و قرطاس سے اہل ہند کے درمیان مذہب اسلام کے متعلق آریہ سماجیوں، مہا سبھائیوں اور شدھیوں کی پیدا کردہ غلط فہمیوں (جبری اشاعت اسلام، دوسرے مذاہب کے لوگوں کی قتل و غارت گری، پیغمبر اسلامؐ کی نعوذ باللہ شہوت پرستی) کے ازالے اور اسلام کی صحیح تعلیمات سے متعارف کرانے کے لیے سیرت رسولؐ کو ایک بہتر ذریعہ تصور کیا اور اس پر کتب لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔

اب تک کی دریافت کے مطابق ڈاکٹر انور محمود خالد کے بقول سیرت رسول پر ہندی غیر مسلم مصنف کی اردو میں پہلی نثری کتاب لالہ (پنڈت) رلیا رام گولاٹی کی ''سوانح عمری محمدؐ'' (۱۸۹۲ء) ہے، جو واشنگٹن ارونگ کی کتاب Life of Mahomet کا اردو ترجمہ ہے۔ (اردو نثر میں سیرت رسولؐ، ناشر اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۸۹ء ص ۴۶۸)۔ ارونگ کی کتاب انگریزی میں ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ پنڈت رلیا رام نے امرت سر سے ''سناتن دھرم پرچارک'' کے نام سے ۱۸۸۶ء میں ایک اخبار بھی جاری کیا تھا۔

بیسویں صدی میں یہ سلسلہ دراز ہوا اور متعدد کتابیں منظر عام پر آئیں۔ قاموس الکتب جلد اول کے عنوان ''سیرت'' سے جو نام دستیاب ہوئے وہ حسب ذیل ہیں۔ اس فہرست میں راقم الحروف نے بھی چند ناموں کا اضافہ کر دیا ہے اور طبع اول کی تصریح کر دی ہے۔

۱۔ سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب بانی اسلام، شردھے پرکاش دیوجی، طبع اول لاہور ۱۹۰۷ء۔

۲۔ رسول عربیؐ، گرودت سنگھ دارا، طبع اول اعظم گڑھ، سنہ ندارد، غالباً ۱۹۲۴ء۔ ۳۔ حیات محمدؐ، گووند دایا جنڈ ہوک (بیکانیری)، ناشر چمن لال ساہنی اینڈ برادرز، لاہور ۱۹۳۲ء۔ ۴۔ پیغمبر اسلامؐ، پنڈت سندر لال، سلیمی پریس الہ آباد، ۱۹۳۳ء (مطبوعہ تقریر، ص ۳۲)۔ ۵۔ آفتاب حقانیت یعنی عرب کا چاند، سوامی لکشمن پرشاد، روڈی پنجاب، ۱۹۳۴ء، صفحات ۴۳۲، بار دیگر دارالکتب سلیمانی حصار۔

۶۔حضرت محمدؐ اور اسلام، ڈاکٹر پنڈت سندر لال، طبع اول الٰہ آباد ۱۹۴۲ء۔ ۷۔حضرت محمدؐ اور اسلام، بابو کنج لال ایم اے، جید برقی پریس دہلی۔ ۸۔پیغمبر اسلامؐ، رگھوناتھ سہائے، (یہ دراصل میلاد نامہ ہے)۔ ۹۔چار مینار، گوبند رام سیٹھی پرشاد، اتحاد پریس لاہور ۱۹۴۳ء، صفحات ۲۲۱۔(رام چندر جی، حضرت محمدؐ صاحب، حضرت عیسیٰؑ اور گرونانک جی کے حالات و تعلیمات)۔ ۱۰۔حضرت محمدؐ صاحب کی سوانح عمری، پروفیسر لاجپت رائے نیر۔ ۱۱۔پیغمبر صحراؐ، کے ایل گابا، دہلی ۲۰۰۴ء، انگریزی سے ترجمہ پروفیسر احمد الدین مارہروی، یہ The prophet of the desert کا اردو ترجمہ ہے۔یہ کتاب مصنف نے اسلام میں داخل ہوجانے کے بعد لکھی ہے۔مصنف نے اس کو اپنے مسلم نام خالد لطیف گابا (K.L.GAUBA) کے نام سے شائع کیا ہے، لہٰذا اس کو غیر مسلم مصنّفین کی کتب میں شمار نہیں کرنا چاہیے۔

ان کے علاوہ تین مضامین کے مجموعوں کا بھی پتہ چلتا ہے جو غیر مسلم مصنّفین کے مضامین کے انتخاب پر مشتمل ہیں۔

۱۔سرور کونینؐ۔اغیار کی نظر میں مرتبہ: بشیر احمد سید، کتاب مرکز، گوجرانوالہ۔

۲۔پیغمبر اسلامؐ۔غیر مسلموں کی نظر میں مرتبہ: ظل عباس عباسی، ادارہ نئی راہ بمبئی ۱۹۵۶ء۔

۳۔محمد رسول اللہؐ۔غیر مسلموں کی نظر میں مرتبہ: محمد حنیف یزدانی۔

مذکورہ بالا کتب و انتخاب آج عام طور پر دستیاب نہیں ہیں، حالانکہ ان کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے تھے۔

راقم الحروف نے مذکورہ بالا فہرست سے تین کتب منتخب کی ہیں، جو بیسویں صدی کے نصف اول میں لکھی گئی تھیں۔ان کے مصنّفین اپنے دور کے معروف اہل قلم تھے اور ان کو پڑھنے والوں کا حلقہ بھی میسر تھا۔وہ ایک دوسرے سے فکری طور پر مختلف ہوتے ہوئے بھی اس امر میں متحد نظر آتے ہیں کہ اہل وطن کے دل میں مسلمانوں کے مذہب، ان کے پیغمبر کے بارے میں جو غلط فہمیاں واقع ہوگئی ہیں ان کو ایسے انداز سے رفع کیا جائے جس میں صحیح معلومات و اطلاعات کا عنصر غالب ہو، جس کا مواد تاریخی سچائی رکھتا ہو اور سرودھرم سم بھاو (یعنی سب مذہبوں کو عزت کی نظر سے دیکھو) اصول سے سرمو انحراف نہ کرتا ہو۔یہ کتابیں علمی نقطۂ نظر سے نہیں لکھی گئیں اسی لیے یہ کسی علمی جائزے کی متحمل نہیں ہوسکتیں، لہٰذا سطور ذیل میں تینوں کتب کا سرسری تعارف پیش کیا جارہا ہے۔ان میں سے شروع کی دو کتب کا

ڈاکٹر انور محمود خالد نے اپنے علمی مقالے ''اردو نثر میں سیرت رسولؐ'' میں جائزہ لیا ہے۔ اس لیے میں صرف ان امور تک گفتگو کو محدود رکھوں گا جن کی طرف ڈاکٹر انور محمود متوجہ نہیں ہو سکے۔

سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب بانی اسلام: یہ کتاب پہلی مرتبہ لاہور سے ۱۹۰۷ء میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ راقم الحروف کے پیش نظر طبع سوم و چہارم ہے۔ طبع سوم ۱۹۱۰ء میں نول کشور پرنٹنگ ورکس لاہور سے ۱۳۶ صفحات پر چھپ کر شائع ہوا تھا۔ طبع چہارم کا سرورق غائب ہے، لیکن ''صاحب'' کے عنوان سے جو تحریر ''محمد اعظم'' کی اس کتاب میں شامل کی گئی ہے اس پر ۱۴/ جولائی ۱۹۱۳ء مندرج ہے لہٰذا اسے ۱۹۱۳ء کا مطبوعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ طبع سوم کی تین ہزار کاپیاں چھاپی گئی تھیں سادہ کاپی کی قیمت پانچ آنہ تھی اور مجلد کی قیمت سات آنہ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طبع اول، دوم اور سوم کی اشاعت کے بعد مسلمانوں کی جانب سے یہ اعتراض کیا گیا ہوگا کہ آنحضورؐ کے نام کے ساتھ لفظ ''صاحب'' کا استعمال درست نہیں۔ اس اشکال کو رفع کرنے کے لیے ضلع سیالکوٹ کے محمد اعظم کی دو صفحے کی ایک تحریر طبع چہارم کے شروع میں شامل کی گئی ہے، جس میں لغات عربی، قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور آثار سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور کے نام کے ساتھ ''صاحب'' کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ اسماعیل شہید کی ''تقویۃ الایمان'' اور ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ قرآن میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اعتراض باطل ہے۔ محمد اعظم کون تھے میری کم آگاہی اس کا پتہ نہیں لگا سکی۔ راقم الحروف نے مولانا راشد کاندھلوی سے فون پر اس بابت سوال کیا، انہوں نے فرمایا، لفظ ''صاحب'' زمانہ قدیم میں احترام کے کل معانی و عظمت کو محیط تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی (ف ۱۸۱۵ء) نے اپنے ترجمہ قرآن میں خدا کے نام کے ساتھ لفظ صاحب (اللہ صاحب) استعمال کیا ہے۔

قاموس الکتب جلد اول میں اس کی دو اشاعتوں منجانب نرائن دت سہگل لاہور اور الناظر بک ایجنسی لکھنؤ ۱۹۲۲ء کا بھی ذکر ملتا ہے۔

اس کتاب کی ہر اشاعت کے شروع میں چند سطری نیا دیباچہ بھی دیا گیا ہے، اور طبع اول کے دیباچے کو برقرار رکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر انور خالد محمود نے اس کی ایک اشاعت ''شردھے پرکاش دیوکا نذرانۂ عقیدت بحضور بانی اسلام'' کے عنوان سے مکتبہ شاہکار لاہور سے ۱۹۷۹ء میں جاری ہونا لکھا

ہے۔(اردو نثر میں سیرت رسولؐ:۱۷۴)اور یہی اشاعت ان کے پیش نظر بھی رہی ہے۔

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ہر باب کے چند ذیلی عنوانات ہیں۔شروع میں تقریباً چھ صفحات کا دیباچۂ طبع اول ہے،جس میں کتاب لکھنے اور پیش کرنے کی غرض و غایت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''ایسے بہت ہی کم لوگ ہیں،جو ان کی اعلیٰ زندگی کے حالات سے واقف ہیں۔ہم کو سینکڑوں ہزاروں ایسے لوگوں سے ملنے کا اکثر اتفاق ہوا ہے جو اپنے تئیں پکا مسلمان کہتے ہیں، لیکن اگر ان سے محمد صاحبؐ کے حالات کی بابت کچھ استفسار کرو تو منھ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ وہی لوگ جان عالم اور بے نظیر کے تمام افسانے ازبر سنا سکتے ہیں''۔(ص ۵)

وہ مسلمانوں کی سیرت رسولؐ سے ناواقفیت کا سبب،سیرت کی عام فہم کتابوں کی عدم موجودگی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آنحضرتؐ کے حالات میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ زیادہ تر عربی زبان میں ہی لکھی گئی ہیں جن تک اردو خواں پبلک کی دسترس نہیں ہے۔اس کے علاوہ عربی میں بھی جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں واقعات کی تحقیق وتنقید کے بجائے خوش اعتقادی اور توہمات سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔ان کتابوں کو اگر اردو میں ترجمہ بھی کیا جائے تب بھی اہل اسلام کے سوا دیگر مذاہب کے پیروان کتابوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔انگریزی میں البتہ زمانۂ حال میں اکثر لوگوں نے بڑی بڑی سوانح عمریاں لکھی ہیں،مگر چونکہ وہ دوسرے مذہب والوں کی تالیف سے ہیں اس لیے ان میں صرف دو ایک ہی ایسی ہیں جو کچھ قدر کے لائق ہیں۔ورنہ بعضوں نے تو محض تعصب سے اپنے دل کا بخار نکالا ہے،اور بعضوں نے جو کچھ کوڑا کرکٹ اِدھر اُدھر سے ہاتھ لگا سب اس میں بھر دیا ہے''۔(ص ۵)

اس کے بعد وہ سید امیر علی کی مصنفہ سیرت کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وہ اچھی ہے،لیکن انگریزی میں ہے اور گراں ہے اس لیے اس سے اہل ہند فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔سرسید کے ''خطبات احمدیہ'' کا بھی تذکرہ کرتے ہیں مگر اس کے اجمال اور دفاعی رخ کے سبب اسے بھی عام قاری کے لیے مفید مطلب نہیں سمجھتے۔آگے لکھتے ہیں:

”ہماری خواہش ہے کہ اپنے ملک کے لوگوں کو ہر ملک اور ہر مذاہب کے بزرگ اشخاص کی زندگی کے حالات سے واقف کیا جاوے۔ اس لیے ہم پر محمدؐ صاحب کی سوانح عمری کا لکھنا بھی فرض تھا، مگر ہم کو تردد یہی تھا کہ ہم ان کی سوانح عمری لکھنے میں کس طرح کامیاب ہوں گے؟ اگرچہ انگریزی کتابوں سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ مگر تاہم اس سے ہمارا اطمینان نہیں ہوتا، لیکن شکر ہے کہ ہمارے ایک دوست نے اس کام کی ذمہ داری کو اپنے اوپر لیا اور آخر بڑی محنت اور تلاش کے بعد انہوں نے حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری کا کچھ حال قلم بند کر کے دیا ہے۔ اگرچہ یہ حال بہت مختصر ہے، مگر پھر بھی ایسا ہے کہ جن لوگوں کو دنیا کے اس بڑے ریفارمر کے حالات سے کچھ واقفیت نہیں، ان کو کچھ تو آگاہی ہو جائے گی۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ اس کو دیکھ کر کسی اور صاحب کو تحریک پیدا ہو اور تھوڑے ہی زمانے میں ہم ایک مفصل اور عمدہ سوانح عمری محمدؐ صاحب کی اردو خانوں کے کتب خانے میں دیکھیں، جو ہماری دلی آرزو ہے“۔ (ص ۷)

حقیقت ہے کہ بیسویں صدی کے پہلے دہے میں سیرت پر اردو میں کتابیں عام طور پر دستیاب نہیں تھیں، لیکن انیسویں صدی کی تقریباً درجن بھر اردو کتابیں مطبوعہ موجود تھیں، جن میں دو کتابیں تواریخ حبیب اللہ، مفتی عنایت احمد کاکوروی (طبع اول ۱۸۵۸ء دوم منشی نول کشور پریس کانپور ۱۸۸۷ء) اور سیرت محمدیہؐ میرزا حیرت دہلوی، کرزن پریس دہلی ۱۸۹۵ء معروف ہیں۔ سید امیر علی کی انگریزی کتاب ”دا اسپرٹ آف اسلام“ کا ترجمہ باسم ”تنفیذ الکلام فی احوال شارع الاسلامؐ“ بھی لکھنؤ سے ۱۸۸۵ء میں شائع ہو چکا تھا، میرزا حیرت دہلوی کی ایک طویل کتاب سیرۃ الرسولؐ کی جلد اول کرزن پریس دہلی سے ۱۹۰۳ء میں اور جلد دوم ۱۹۰۴ء اور جلد سوم غالباً ۱۹۰۵ء میں اسی پریس سے چھپ کر شائع ہوئی، لیکن یہ تمام کتابیں سیرت کا شاید کُلی احاطہ نہیں کرتی تھی یا مصنف کی دسترس سے باہر تھی۔ بایں صورت ایک غیر مسلم قلم کار کو سیرت پر مواد جمع کرنے میں یقیناً دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، اس دشواری کو کسی حد تک ان کے ایک دوست نے حل کر دیا لیکن انہوں نے دوست کے نام سے مطلع نہیں کیا، کتاب کے مواد سے یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ یہ دوست کوئی غیر مسلم ہی رہے ہوں گے، مسلمان نہیں۔ کیونکہ مسلمان حضور کو بانی اسلام نہیں لکھ سکتا۔ (دیباچے کا پہلا جملہ ہے: حضرت محمدؐ صاحب بانی مذہب اسلام جن کی سوانح عمری کا یہ مختصر سا خاکہ ہے) اپنی کتاب کی بابت لکھتے ہیں:

"اگرچہ آنحضرتؐ کے بہت سے ایسے حالات جو اور عام کتابوں میں پائے جاتے ہیں، اس کتاب میں نہ ملیں گے لیکن ہم ناظرین کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ کتاب بالکل بے تعصّبانہ اور دوستانہ انداز میں لکھی گئی ہے... جو واقعات اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں، ان کی خاطر خواہ چھان بین کر لی گئی ہے اور باطمینان کہا جاسکتا ہے کہ ان واقعات کی صحت میں دوست و دشمن کسی کو کلام نہیں۔ ہمیں امید ہے کہ جس غرض سے یہ کتاب لکھی گئی ہے وہ غرض اس سے حاصل ہوگی اور آنحضرتؐ کی زندگی کے واقعات کے متعلق جو غلطیاں مشہور ہورہی ہیں وہ رفع ہوجائیں گی اور صداقت اپنی اصل رنگت میں چمکے گی"۔ (ص ۸)

سطور بالا میں طبع اول کے دیباچہ کے جو طویل اقتباسات دیے گئے ہیں ان کے مطالعہ سے کتاب لکھنے کی غرض وغایت اور کتاب لکھنے کے انداز اور پیشکش پر کافی روشنی پڑجاتی ہے۔ ان اقتباسات کے اندراج کو یوں بھی ضروری سمجھا گیا کہ ڈاکٹر انور محمود خالد نے اپنے علمی مقالے "اردو نثر میں سیرت رسولؐ" میں کتاب کا تعارف کراتے ہوئے اس دیباچہ کا مطلق تذکرہ نہیں کیا۔ غالباً ان کے پیش نظر ۱۹۷۹ء کا جو ایڈیشن ہے، وہ اس دیباچہ سے بے نیاز ہے۔ البتہ کتاب میں پیش کردہ مواد کی بابت انہوں نے بہت تفصیل سے لکھا ہے اور جہاں مصنف سے تعبیری غلطیاں ہوئی ہیں یا ان کے مذہبی نظریات حاوی ہوگئے ہیں ایسے مقامات کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اس لیے راقم الحروف کتاب میں پیش کردہ مواد سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف یہ لکھنے پر اکتفا کرنا پسند کرے گا کہ:

سیرت رسولؐ پر یہ پہلی کتاب ہے جو غیر جانب دارانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس میں ان اعتراضات کا بھی شافی جواب آگیا ہے جو آنحضورؐ کی ذات گرامی پر غیر مسلم مصنّفین کرتے رہے ہیں۔ حضورؐ کے نام کے ساتھ صرف لفظ "صاحب" کو کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ بالعموم آپؐ کے نام کے ساتھ شروع میں آنحضرتؐ اور بعد میں صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہے۔

کتاب کی زبان سادہ، بیان موزوں اور پیش کش دلآویز ہے۔ واقعات سیرت کے سہارے کتاب از اول تا آخر آگے بڑھتی چلی جاتی ہے اور قاری کو کہیں بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ عظمت رسول کا دائرہ تنگ یا محدود ہورہا ہے۔

کتاب عام فہم ہے، چھوٹے چھوٹے جملوں سے بات کو مکمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

جہاں جہاں آج کاما کی ضرورت ہوتی ہے وہاں وہاں ایک چھوٹے ڈیش سے کام لیا گیا ہے، گویا کہ ترسیل مفہوم کے لیے نہ صرف عبارت کی سادگی، مضمون کی دلآویزی بلکہ رموز اوقاف کا بھی حتی الوسع خیال رکھا گیا ہے، ہجری تاریخوں کی عیسوی سے تطبیق کی گئی ہے، اس طور آنحضورؐ کی پیدائش ۲۹/اگست ۵۷۰ء اور وفات ۸/جون ۶۳۲ء لکھی گئی ہے۔

بعد کے غیر مسلم مصنّفین کے لیے یہ کتاب بنیادی ماخذ بن گئی، لیکن کسی نے اس کا حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھا۔

کتاب کے آخری چار صفحات میں معاصرین کی آرا، اور تبصرے یکجا کردیے گئے ہیں۔ ان میں خواجہ الطاف حسین حالی، مرزا غلام احمد قادیانی، مولانا ظفر علی خاں، سید ممتاز علی اور متعدد انگریزی اور اردو اخبارات کے تراشے دیے گئے ہیں۔ سطور ذیل میں صرف مولانا حالی کی رائے پیش کردینا کافی ہوگا۔ مولانا حالی لکھتے ہیں:

> ”اس کتاب کی نسبت جو کچھ میں نے اخباروں میں دیکھا اور لوگوں سے زبانی سنا تھا، اس سے بہت زیادہ اس کو تعریف کے لائق پایا۔ معزز مصنف نے یہ کتاب لکھ کر سچائی اور حق پسندی کی ایک ایسی مثال قائم کی ہے جس کی ہم سب ہندوستانیوں کو تقلید کرنی چاہیے۔ اب تک ہمارے تمام ہم وطن عام طور سے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، اس خیال خام میں مبتلا رہے ہیں کہ غیر مذہب کی خوبیوں میں جہاں تک ممکن ہو پردہ ڈالیں اور چن چن کر اس کی برائیاں ظاہر کریں۔ جہاں تک اندازہ کیا جاتا ہے تمام اہل مذاہب اس غلطی میں پڑے ہوئے ہیں کہ غیر مذہب کے کسی اعتراض کو تسلیم کرلینا یا اس کی کسی خوبی کا اقرار کرنا اپنے مذہب کے دائرے سے نکل جانے کے برابر ہے۔ براہمو دھرم کا یہ اصول کہ وہ ہر ایک دھرم کے پیشواؤں کی تعظیم کرتا ہے بالکل اصول اسلام کے مطابق ہے اور یہی وہ اصول ہے جس سے امید ہوتی ہے کہ مذہبی جھگڑے شاید رفتہ رفتہ دنیا سے مفقود ہوجائیں۔ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ سردھے پرکاش دیو جی نے یہ کتاب مسلمانوں کے خوش کرنے کے لیے نہیں بلکہ محض صداقت کے ظاہر کرنے کے لیے لکھی ہے، لیکن چونکہ مسلمانوں کا خوش ہونا اس کا لازمی نتیجہ ہے، اس لیے وہ تمام

مسلمانوں کی طرف دلی شکریے کے مستحق ہیں‘‘۔

سردھے پرکاش دیوی کی کتاب کے بعد سیرت پر دواہم کتابیں قاضی محمد سلیمان منصور پوری (ف ۱۹۳۰ء) کی رحمۃ للعالمین کی جلد اول ۱۹۱۲ء میں اور مولانا شبلی نعمانی (ف ۱۹۱۴ء) کی سیرۃ النبی کی پہلی جلد ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ان دونوں کتابوں سے کرشن دیوی کی کتاب کا موازنہ کسی بھی لحاظ سے نہیں کیا جاسکتا،لیکن بیسویں صدی کے غیر مسلم سیرت نگاروں میں ان کوتاریخی تقدم حاصل ہے۔

شردھے پرکاش دیو برامّہ دھرم کے پرچارک تھے۔موحدین کی یہ مذہبی تنظیم لٹریچر کے ذریعہ اپنا پیغام ملک کے طول عرض میں پہنچاتی تھی۔اس کتاب کے آخر میں کتابوں کا جواشتہار شامل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شردھے پرکاش دیو جی تقریباً ڈیڑھ درجن چھوٹی بڑی کتب اور رسائل کے مصنف ومترجم تھے۔لیکن یہ تمام کتابیں ان کے اختیار کردہ دھرم کی توسیع واشاعت کے دائرے میں آتی تھیں۔ان کے علاوہ وہ ’’برمھ پرچارک‘‘ کے نام سے ۱۶ صفحات پر مشتمل ایک پندرہ روزہ اخبار بھی نکالتے تھے۔اس تنظیم کا لٹریچر لکھنے والے دوسرے نام یہ ہیں: مہارشی دوندر ناتھ ٹھاکر، لالہ رگھوناتھ سہائے بی اے، بھائی کرپال سنگھ بی اے، پنڈت گردھر رائے بشواسی، منشی لال صاحب ایم اے۔طبع اول کے دیباچہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ لاہور میں کوئی برمھ مندر تھا، جہاں سے اس تنظیم کے سارے کام انجام پاتے تھے۔اس کے سوا مصنف کے بارے میں مزید کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔مہارشی شیو برت لال ورمن (ف ۱۹۳۹ء) کی طرح شردھے پرکاش دیوی کی شخصیت بھی تحقیق کی متقاضی ہے۔انہوں نے اپنے مذہب کے پرچار کے لیے اردو زبان کا استعمال کیا اور اپنی مذہبی کتب کے ترجموں سے اردو کا دامن مالامال کیا۔

رسول عربیؐ: یہ کتاب پہلی مرتبہ معارف پریس اعظم گڑھ سے بہ اہتمام مسعود علی ندوی چھپ کر شائع ہوئی تھی، ۱۲۴ صفحات پر محیط اس کتاب کی قیمت ایک روپیہ تھی،اس کے مصنف سردار گرودت سنگھ دارا (جی ایس دارا) تھے۔ٹائٹل کے اندراج کے مطابق یہ لاہور ہائی کورٹ میں بیرسٹر تھے اور لندن سے شائع ہونے والے ’’انڈیا‘‘ نام کے کسی اخبار یا جریدے کے مدیر تھے۔اس طور سے کہا جاسکتا ہے کہ مصنف انگریزی واردو دونوں زبانوں سے بخوبی واقف تھے۔کتاب میں جابجا برمحل فارسی اشعار کے استعمال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی کی بھی مناسب صلاحیت رکھتے ہوں

گے۔ اگرچہ یہ کتاب دارالمصنّفین کے سلسلۂ مطبوعات کا حصہ نہیں تھی تاہم اس کی اشاعت دفتر دارالمصنّفین سے ہوئی تھی۔

اس کتاب پر سال اشاعت کا اندراج نہیں۔ ڈاکٹر انور محمود خالد نے دوسنوں ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۷ء کا اندراج کیا ہے۔ ۱۹۲۴ء قرین صحت معلوم ہوتا ہے۔

سید سلیمان ندویؒ (ف ۱۹۵۲ء) کی دارا صاحب سے ملاقات لندن میں فروری تا ۳۰/ اکتوبر ۱۹۲۰ء کی درمیانی مدت میں ہوئی۔ اور اسی دوران انہوں نے دارا صاحب کی کتاب کو ملاحظہ فرما کر اس پر دیباچہ بھی لکھا۔ اس دیباچہ نے کتاب کی قدر و قیمت بڑھا دی۔ دیباچہ پر سید صاحب کے نام کے ساتھ "مسلم ڈیلی گیشن لندن" بھی لکھا ہے۔ اس دور کے ہندو مسلم تنازعات میں اس کتاب کی پذیرائی برمحل اور مناسب تھی۔ سید صاحب نے معارف پریس سے اس کی طباعت اور دفتر دارالمصنّفین سے اس کی اشاعت فرما کر اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت کو دوچند کر دیا۔ بعد میں سید صاحب کی اجازت سے خواجہ حسن نظامی (ف ۱۹۵۵ء) نے مئی ۱۹۲۵ء میں حمیدیہ پریس دہلی سے اس کا عکس چھپوا کر شائع کیا اور اس کی قیمت آٹھ آنے کر دی۔ یہ ایڈیشن بہ سلسلۂ انسداد ارتداد، باسم "محمدؐ کی سرکار میں ایک سکھ کا نذرانہ۔ رسول عربیؐ" وقف عام کیا گیا۔ ٹائٹل کی پشت پر "اطلاع" کے عنوان سے خواجہ حسن نظامی کی مختصر تحریر ہے، جس میں انہوں نے لکھا ہے:

> "پہلا ایڈیشن فروخت کم ہوا بلکہ مفت تقسیم کیا گیا۔ خیال تھا کہ مسلمان ثواب کی نیت سے اس کو خرید کر مفت تقسیم کریں گے، مگر بہت کم لوگوں نے توجہ کی۔ اس لیے میں نے ہی اپنے سرمایۂ تبلیغ سے اس کو بلا قیمت تقسیم کر دیا"۔

قاموس الکتب جلد اول میں ۶۹۸۴، اور ۶۹۹۸، اندراج کے تحت اس ایڈیشن کا مذکور ہے لیکن اس کا سال اشاعت ۱۹۲۴ء لکھا ہے جو غلط ہے۔

مذکورہ بالا دونوں ایڈیشن راقم الحروف کے پیش نظر ہیں۔ خواجہ صاحب نے اسی کتاب کا چوتھا ایڈیشن ۱۹۲۷ء میں شائع کیا تھا۔ بعد میں اس کی متعدد اشاعتیں منظر عام پر آئیں۔ ان اشاعتوں پر مصنف کا نام جی ایس دارا مرقوم ہے۔ ایک ایڈیشن مجلس اردو لاہور نے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا تھا۔ ڈاکٹر انور محمود خالد نے لکھا ہے:

> ''اس کتاب کی اشاعت اول کے بارے میں قطعیت سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ایک جگہ ۱۹۲۴ء اور دوسری جگہ ۱۹۲۷ء درج ہے۔تاہم اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۱ء میں چھپا جو ۱۹۰ صفحات پر مشتمل ہے،اور اب عام دستیاب ہے''۔(اردو نثر میں سیرت رسولؐ،ص ۴۷۸)

خالد صاحب کا مذکورہ بالا بیان درست نہیں۔اس کتاب کا طبع دوم ۱۹۲۵ء میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔طبع اول پر سنہ کا اندراج نہیں،لہٰذا جہاں ۱۹۲۴ء درج ہے وہی قرین صحت معلوم ہوتا ہے۔اس طور ۱۹۴۱ء کا ایڈیشن (مطبوعہ ماڈل ٹاؤن،لاہور) طبع سوم ہوا جو ان کے پیش نظر ہے۔اس ایڈیشن پر شیخ عبدالقادر (ف ۱۹۵۰ء) نے تقریب کے عنوان سے مقدمہ لکھا ہے۔

مصنف نے ابتدا میں رسول عربی کے عنوان سے ایک تمہید لکھی ہے جو بڑی پُر جوش و پُراثر ہے۔اس کے بعد پوری کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ہر باب کے ضمنی عنوانات حاشیے پر دیے گئے ہیں۔سید سلیمان ندویؒ نے اس کتاب کی بابت لکھا ہے:

> ''دارا صاحب نے پیغمبر اسلامؐ کی سوانح عمری بڑی بے نفسی اور بے تعصبی کے رنگ میں لکھی ہے۔کتاب کے حرف حرف سے عشق و محبت کے آب کوثر کی بوندیں ٹپکتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا قلم کس (کسی) جوش و خروش کے دریا میں بہتا جا رہا ہے۔میں نے اس کتاب کو شروع سے اخیر تک پڑھا اور ایک رواں کتاب کی حیثیت سے اس کو پسند کیا۔ممکن تھا کہ یہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے اس سے زیادہ بلند پایہ پہ لکھی جا سکتی،لیکن یہ ناممکن تھا کہ کوئی نامسلم اس سے زیادہ خلوص و عقیدت کی نذر دربار رسالت میں پیش کر سکتا اور یہی اس کتاب کی بہترین خصوصیت ہے''۔

حضرت محمدؐ اور اسلام: اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر پنڈت سندر لال (ف ۱۹۸۳ء) گاندھیائی فلسفہ و فکر کے علم بردار تھے۔انہوں نے اسلامی موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں،معروف کتاب ''گیتا اور قرآن'' ہے۔پروفیسر آل احمد سرور نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

> ''پنڈت سندر لال ملک کے ان قومی رہنماؤں میں سے ہیں،جنھیں خلوص نظر، دردمندی اور شعور کی انمول دولت ملی ہے۔گاندھی جی کی رفاقت نے ان میں حق پرستی

اور حق گوئی پیدا کی۔ مختلف مذاہب کے ہمدردانہ مطالعے نے ان میں رواداری، اخلاق اور انسانیت کی قدریں راسخ کیں''۔ (پیش لفظ، سن ستاون، علی گڑھ، ۱۹۵۷ء ص ۵)

اس کتاب سے پیشتر ''پیغمبر اسلام'' کے نام سے ان کی ایک تقریر ۱۹۳۲ء میں سلیمی پریس الہٰ آباد سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ یہ تقریر یوم النبیؐ کے موقع پر الہٰ آباد میں کی تھی۔ اسے خان بہادر حافظ غضنفر اللہ ایم ایل سی و صدر جلسہ نے ایک ہزار کی تعداد میں چھپوا کر دفتر انجمن تبلیغ الہٰ آباد کے ذریعہ شائع کیا۔ اس کی قیمت ۶ پائی اور صفحات ۳۳ تھے۔ یہ کتاب ناقص حالت میں مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں محفوظ ہے۔

''حضرت محمدؐ اور اسلام'' کا طبع اول فروری ۱۹۴۲ء میں وسوانی پریس الہٰ آباد سے ۲۲۴ صفحات پر چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس کے پبلیشر بشمبر ناتھ پانڈے تھے۔ پانڈے نے ''ضروری بات'' عنوان کے تحت لکھا ہے:

> ''پنڈت سندر لال جی کئی سال سے دنیا کے دھرم، مذاہب اور کلچر پر ایک بڑی کتاب لکھ رہے ہیں، جو کئی وجہوں سے ابھی پوری نہیں ہو سکی۔ 'حضرت محمدؐ اور اسلام' اس کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ کچھ دوستوں کے کہنے پر اور اس کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اسے الگ سے چھاپ کر نکالا جا رہا ہے۔ اس کی بولی آسان رکھی گئی ہے کہ سب سمجھ سکیں۔ ناگری اور اردو، دونوں لکھاوٹوں میں یہ ایک ہی بولی میں چھاپی گئی ہے۔ یہ کتاب دونوں لکھاوٹوں میں ہمارے یہاں سے مل سکتی ہے''۔ (بشمبر ناتھ، ۱۵؍فروری ۱۹۴۲ء الہٰ آباد)

راقم الحروف کے پیش نظر طبع سوم ہے، جس کا ناشر شانتی پریس الہٰ آباد ہے، لیکن سرورق پر ہندوستانی کلچر سوسائٹی الہٰ آباد لکھا ہے۔ جبکہ یہ کتاب ہند پریس الہٰ آباد میں چھپی تھی۔ یہ کتابی سائز کے ۱۷۶ صفحات کو محیط ہے۔ ہندوستانی پرچار سبھا بمبئی نے ۸۰۰۰؍روپے کی امداد ہندوستانی کلچر الہٰ آباد کو دی تھی کہ وہ ''گیتا اور قرآن'' و ''حضرت محمد اور اسلام'' کتاب کی ۵۵۰ کاپیاں اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور ادبی اداروں کو مفت تقسیم کرے۔ ''اطلاع'' عنوان کے تحت ہندوستانی کلچر سوسائٹی کے سکریٹری بشمبر ناتھ پانڈے نے ہندوستان پرچار سبھا بمبئی کا اس امر کے لیے شکریہ ادا کیا ہے۔ (ص ۲)

شروع میں ''دولفظ'' کے عنوان سے مصنف نے ایک صفحی دیباچہ لکھا ہے۔اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''پیغمبر اسلامؐ کی زندگی اور قرآن دونوں کو میں نے اپنے معلم ڈاکٹر مرزا ابوالفضل سے پڑھا ہے''انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کا مسودہ مولانا ابوالکلام آزاد (ف ۱۹۵۸ء) نے دیکھا تھا اور مولانا حسین احمد مدنی (ف ۱۹۵۷ء) نے بھی (۱۹۴۲ میں جب وہ نینی جیل میں تھے)اس کا پہلا ایڈیشن دیکھا تھا اور اس پر مفصل رائے ایک نوٹ بک کی شکل میں لکھ کر ان کو دی تھی،جس سے اس تیسرے ایڈیشن میں پوری طرح استفادہ کیا گیا ہے۔(ص ۳)

دولفظ کے بعد مقدمہ ہے (ص ۴ تا ۱۳) مقدمہ پنڈت بشمبر ناتھ پانڈے نے لکھا ہے۔انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آفاقی پیغام ''تحفظ انسانیت'' کو موضوع بناتے ہوئے اس ضمن میں دنیا کے مشاہیر کی آرا نقل کی ہیں اور لکھا ہے کہ ''مجھے یقین ہے کہ دیش واسی اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے اور اسے پڑھ کر اسلام اور اس کے پیغمبر کے بارے میں صحیح صحیح رائے بنا سکیں گے''۔(ص ۱۳)

فہرست بہ عنوان ''کہاں کیا''،صفحہ ۱۴ پر دی گئی ہے،جس میں ۳۱ عنوانات دیے گئے ہیں، صفحہ ۱۵ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۷۶ پر کتاب ختم ہوگئی ہے۔

کتاب کی زبان سہل اور عام فہم ہے۔اسے اس طور قلم بند کیا گیا ہے کہ ایک عام ہندی و اردو قاری بغیر کسی پڑھے لکھے شخص کا سہارا لیے مطالعہ کر سکے۔یہ ایک مشکل کام ہے لیکن سندر لال نے اسے بحسن وخوبی انجام دیا۔کتاب اسی زبان میں ہندی اور اردو رسم الخط میں شائع ہوئی۔

مصنف نے مغربی مورخین اور سیرت نگاروں سے جا بجا استفادہ کیا ہے اور ان کے اقوال بھی درج کیے ہیں۔بحیثیت مجموعی یہ کتاب بھی ہندو مسلم یکجہتی کے جذبے سے لکھی گئی ایک بہتر کتاب ہے۔

آخر میں تینوں کتابوں سے کسی ایک عنوان پر اقتباسات درج کیے جارہے ہیں تا کہ تینوں کتابوں کے مصنّفین کے انداز تحریر اور تعبیر واقعات کا اندازہ کیا جا سکے:

شردھے پرکاش دیو جی، محمدؐ صاحب کا حسب ونسب اور ایام طفولیت کا ضمنی عنوان قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''غرض جس وقت عرب پر یوں جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی اس وقت حضرت محمدؐ صاحب عرب کے ایک مشہور اور معزز قبیلہ قریش کی شاخ بنی ہاشم میں پیدا ہوئے۔ان

کے پردادا ہاشم نے خانۂ کعبہ اور مکہ کو دشمنوں سے بچایا تھا، اس واسطے شریف مکہ یا شریف کعبہ کا عہدہ بنی ہاشمیوں کا موروثی حق تھا اور یہ وہ عہدہ ہے جس کی اہل عرب ہمیشہ سے قدر کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ جس وقت محمدؐ صاحب پیدا ہوئے تھے اس وقت ان کا دادا عبدالمطلب شریف کعبہ تھا۔ عبداللہ بن المطلب نے ۲۴/ برس کی عمر میں آمنہ بنت وہب سے شادی کی اور ابھی آمنہ کا نخل مراد سرسبز نہ ہوا تھا کہ عبداللہ کو سفر شام میں ایک قافلہ تجارت کے ساتھ جانے کا اتفاق پڑا، اور واپسی کے وقت بیمار ہو کر مدینہ میں راہ بقا اختیار کی۔ اس زمانے میں جب کہ واقعۂ فیل کو ۵۴/ روز ہوئے تھے کہ ۱۲/ ربیع الاول مطابق ۲۹/ اگست ۵۷۰ء کو حضرت محمدؐ صاحب پیدا ہوئے۔

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا　　دعائے خلیل اور نوید مسیحا

بزرگ عبدالمطلب بچے کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنتے ہی دوڑے آئے اور معصوم بچے کو اپنی گود میں اٹھا کر لے گئے اور کعبے کا طواف کر کے خدا کا شکر ادا کیا.... جب بچہ سات دن کا ہوا تو دستور ملک کے موافق عبدالمطلب نے اپنے کل قبیلے کی دعوت کی اور بڑی خوشی سے جشن منایا اور سب کے سامنے بچے کا نام محمدؐ رکھا"۔ (سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب اور اسلام ص ۱۶، ۱۷)

گرودت سنگھ دارا نے مذکورہ بالا معلومات کو کئی ضمنی عنوانات حکومت مکہ، آنحضرتؐ کے والدین، صدائے غیب اور آمد آنحضرتؐ کے تحت اپنی کتاب رسول عربیؐ میں پیش کی ہیں:

ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا کہ غنیم نے باہر سے آ کر مکہ پر ایک زبردست دھاوا کیا۔ آنحضرتؐ کے پردادا ہاشم نے وہ مقابلہ کیا اور ایسی جان توڑ کر لڑے کہ دشمن کو شکست فاش ہوئی....اس نمایاں کام کے صلے میں لوگوں نے بزرگ ہاشم کو سردار مکہ مقرر کر دیا اور عہدہ، میراث میں دے دیا۔

آنحضرتؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی عمر کا چوبیسواں سال تھا، جب بی بی آمنہ سے نسبت ہوئی.....، آغاز مسرت ہوا ہی تھا کہ اختتام خوشی بھی ساتھ ہی ہو گیا۔ ایک قلم کوہ غم آمنہ کے سر پہ آ ٹوٹا۔ بزرگ عبداللہ تجارت کے لیے سفر کو گئے تھے، واپسی پر جب مدینہ پہنچے تو بیمار ہو گئے.... دفعتاً قضا نے آ گھیرا۔ پیام اجل آ پہنچا... بی بی آمنہ کا نخل مراد ابھی بار آور نہ ہوا تھا کہ باغبان چمن رخصت

ہوگیا.... جو رنج وصدمہ شوہر کی وفات سے بی بی کے دل پر گذرا اس کا تو کیا ٹھکانا ہے، مگر آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب کی جو جانکاہ حالت ہوگی وہ تو حد بیان سے باہر ہے..... ادھر یہ بے کسی اور بے بسی کا عالم تھا ادھر فرشتۂ غیب کہہ رہا تھا:..... کدھر ہے تیرا دھیان اور تو ہے کس سوچ میں؟ ذرا ہوش کی لے اور عقل کی آنکھ کھول؛ جس پریتم کو مکہ کے پریم نگر میں اپنی چھب دکھلانی ہے، وہ ابھی تیری آغوش الفت میں آکر نہیں بیٹھا؛ جس شمع کو اپنی اچنبھ روشنی سے عرب کا اندھیرا اجالا کر دینا ہے وہ ابھی روشن نہیں ہوئی..... ابھی یہ اس فرشتے کی زبان پر تھا:

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت　　　بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت

ادا خاک بطحا نے کی وہ ودیعت　　　چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا

دعائے خلیل و نوید مسیحا

آخر وہ نیک ساعت آپہنچی، جس کا اشارہ تھا اور وہ شُبھ لگن آگیا جس کا وعدہ تھا۔۔۔ خالق خود خا کی پیرہن پہن آیا۔ (اوتار کا تصور):

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش　　　من انداز قدت را می شناسم

بی بی آمنہ کے ہاں پوت ہوا، پوت وہ سپوت کہ جس کی آمد سے عرش فرش پر اس کی مہمانی ہونے لگی:

بطحا کا باشی من موہن، جب فرش پہ آیو آنن میں

تب کا سے کہوں میں اے ری سکھی جو دھوم تھی کون ومکانن میں

سب حور وملا یک، جن وبشر، ساتوں ہی فلک اور سارے نبی

تھی صل علیٰ کی دھوم مچی، آتی تھی صدا یہی کانن میں

(رسول عربیؐ، ص۹، ۱۰، ۱۱)

پنڈت سندر لال نے اپنی کتاب میں عنوان قائم کیا ہے: محمدؐ صاحب کا جنم۔ وہ لکھتے ہیں:

''مکہ کا شہر دنیا کے سب سے پرانے شہروں میں گنا جاتا ہے۔ محمدؐ صاحب سے ایک ہزار سال پہلے یورپ کے ساتھ ہندوستان اور دوسرے ایشیائی ملکوں کی تجارت

عرب ہی کے راستے ہوتی تھی....اس لیے تجارت کے خیال سے مکہ ان دنوں بہت بڑھا چڑھا تھا۔اس تجارت سے طرح طرح کا لگاؤ رکھنے والے بہت سے لوگ مکے میں اوراس کے آس پاس بس گئے۔مکہ عرب کا سب سے بڑا خوشحال شہر بن گیا اور ایک طرح کی حکومت وہاں قائم ہوگئی۔

مکہ کے بڑکپن کا دوسرا سبب کعبے کا پرانا مندر ہے۔یہ مندر بھی محمدؐ صاحب سے کم سے کم ہزاروں سال پہلے سے عرب اور اس کے آس پاس کے لوگوں کا سب سے بڑا تیرتھ چلا آتا تھا.... مکے کی بڑھی ہوئی تجارت اور کعبے کی پوجا، ان دونوں کے سبب مکے کے حاکم کا رتبہ اور اس کی دھاک عرب میں شروع سے بڑھی چڑھی تھی۔

مکہ میں سب سے زیادہ عزت وآبرو والا قبیلہ ان دنوں قریش کا قبیلہ تھا۔قریش کا سردار ہی مکے کے چھوٹے سے راج کا مالک یا حاکم ہوتا تھا اور وہی کعبے کی دیکھ بھال کرتا تھا۔محمدؐ صاحب کے پردادا ہاشم، جس کے نام پر محمدؐ صاحب کے خاندان کے لوگ بنی ہاشم کہلاتے تھے، اپنے زمانے میں مکے کا حاکم تھا اور لوگ اس کو محبت اور عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ہاشم کے بعد مطلب اور مطلب کے بعد ہاشم کا بیٹا عبدالمطلب گدی پر بیٹھے۔عبدالمطلب کے کئی لڑکے تھے، جن میں سب سے چھوٹا لڑکا عبداللہ پچیس سال کی عمر میں شادی کے دو سال کے اندر مر گیا۔عبداللہ کے مرنے کے کچھ روز بعد عبداللہ کی بیوہ آمنہ نے محمد صاحب کو جنم دیا''۔(حضرت محمدؐ صاحب اور اسلام، ۳۴،۵)

مذکورہ بالا تینوں اقتباسات ان کتابوں کی ترتیب، پیش کش اور اسلوب کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔یہاں اس امر کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں کسی علمی جائزے کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔اس لیے ان پر تعارفی انداز میں لکھنا لکھانا کافی سمجھا گیا۔

ندوۃ العلماء اور ریاست بہاول پور

ڈاکٹر عصمت درانی

دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو (قیام: ۱۸۹۴ء) اور ریاست بہاول پور (۱۷۲۷-۱۹۵۵ء) کے تعلق کا آغاز، بہاول پور کے دستیاب تاریخی مآخذ کے مطابق ۱۹۰۳ء میں ہوا، جو ریاست کے دور میں اور ۱۹۵۵ء میں ریاست کے پاکستان میں ادغام کے بعد بھی کسی نہ کسی صورت برقرار رہا۔ ندوۃ العلماء، ریاست کا ممنون احسان تھا، جس کا اعتراف اس کے اکابر و عمائد نے بارہا کیا۔ لیکن اس ادارے کے پروردہ لعل و گہر نما فرزندان نے اس احسان کا بدلہ بطریق احسن چکایا اور ان کی گراں قدر علمی خدمات کی بدولت ندوۃ العلماء کی فیض رسانی کے انمٹ نقوش اس ریاست کے در و بام پر ثبت ہوئے۔ اس مضمون کے حصہ اول میں ندوۃ العلماء کے لیے ریاست کی مالی خدمات، حصہ دوم میں ریاست کے لیے ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل علما کی علمی خدمات، اور حصہ سوم میں ندوۃ العلماء سے وابستہ ان قابل ذکر افراد کا مختصر تذکرہ شامل ہے، جن کا علمی و مذہبی تعلق ریاست بہاول پور سے رہا۔

(۱)

دارالعلوم ندوۃ العلماء اور ریاست بہاول پور کا تعلق باقاعدہ طور پر ۱۲/نومبر ۱۹۰۳ء سے قائم ہے، جب نواب محمد بہاول خان خامس (۱۹۰۳-۱۹۰۷ء) نے اپنی مسند نشینی کے موقع پر اپنے اجداد کی تقلید میں علمی سرپرستی کے طور پر دیگر فلاحی انجمنوں، تعلیمی تحریکوں، تعلیمی اداروں اور اشاعت علوم کے مراکز کے ساتھ ساتھ ندوۃ العلماء کے لیے بھی تین سو روپے (۳۰۰) سالانہ کی امداد منظور کی تھی (عزیز، ۱۹۳۹ء، ص: ۱۰۳)۔ اس تعلق کے کچھ مدھم نقوش شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) کے مکتوبات میں بھی ملتے ہیں۔ مثلاً ندوۃ العلماء کے ناظم۔ مولانا سید عبدالحئی (وفات: ۱۹۲۳ء) کے نام ۲۵/اکتوبر

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ فارسی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور۔

۱۹۰۳ء کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ”خط متعلق تحریر دعا نامہ موسومہ نواب بہاول پور پہنچا۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہ نہایت دنائت کی بات ہے کہ موقع جشن پر اور منگولوں کی طرح ندوہ کا وفد بھی اپنا بھجن گائے“۔(شبلی نعمانی، ۱۹۲۸ء، ص:۳۱۰)

یہ نقوش ۱۹۰۸ء میں واضح ہوتے ہیں، جب دارالعلوم کی عمارت کے لیے ناکافی اور ناموزوں ہونے کے سبب طلبہ کے قیام و تعلیم میں دقتیں موجود تھیں اور عمارت کی تعمیر کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ اس صورت حال کا نقشہ شبلی نعمانی کے قلم سے:

> ”دارالعلوم ندوہ کی تعلیمی حالت جس طرح ترقی کر رہی ہے، اس کے لحاظ سے دارالعلوم کی موجودہ عمارت نہ صرف ناکافی تھی، بلکہ اس کی آیندہ ترقیوں کی سد راہ تھی۔ نہ طلبہ کے رہنے کے لیے موزوں مکانات تھے، نہ درس کے لیے کافی کمرے تھے، نہ کتب خانے کی گنجائش کے لیے عمارت تھی، نہ علوم جدیدہ کی تعلیم کا سامان تھا۔ کوئی شخص جو ندوۃ العلما کا مشہور اور بلند نام سن کر آتا تھا، عمارت کو دیکھ کر دفعتاً اس کے تمام خیالات پست ہو جاتے تھے“۔(شبلی نعمانی، ۱۹۳۸ء، ص:۸۴)

اس کار خیر میں جہاں دیگر ریاستوں نے حصہ لیا، وہاں ریاست بہاول پور کو بھی اس ادارے کی خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ریاست کے فرمانروا۔ نواب صادق محمد خان خامس کی عمر صرف چار سال تھی۔ اور اسی کم سنی کے باعث زمام حکومت انگریزوں، یعنی کونسل آف ریجنسی (۱۹۰۷-۱۹۲۳ء) کے ہاتھ میں تھی۔ ریاست کی سابقہ روایت برقرار رکھتے ہوئے نواب صاحب کے نمایندے کی حیثیت سے ان کی دادی محترمہ۔ کندن بی بی معروف بہ حضرت مائی صاحبہ(۱) نے برصغیر کے تعلیمی اداروں، جن میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، انجمن حمایت اسلام، دارالعلوم دیوبند اور جامعہ ملیہ سرفہرست تھے، کی بھرپور امداد کا سلسلہ جاری رکھا(۲)۔ ندوۃ العلماء کا ریاست سے سلسلہ جنبانی چلا تو ریاست کے حکم پر وہاں کے عہدے دار ادارے کے معاینہ کو آئے۔ شبلی نعمانی نے ۱۸/فروری ۱۹۰۸ء کو مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی (۱۸۶۷-۱۹۵۰ء) کے نام ایک مکتوب میں لکھا:

> ”عین اس وقت کہ چمن زار بمبئی کی گلگشت نے عالم طلسم میں پہنچا دیا

تھا، بہاول پور کے عہدہ داروں کا خط پہنچا کہ ریاست کے حکم سے ندوہ کے معاینے کو آتے ہیں اور اس وقت تمہارا ہونا ضروری ہے...... بہاول پور نے دل افروز امیدیں دلائی ہیں، دیکھیے کیا ہوتا ہے؟"۔ (شبلی، ۱۹۲۸ء، ص: ۱۹۶)

ان کی امیدیں یوں برآئیں کہ اس موقع پر محترمہ مائی صاحبہ نے اپنی جیب خاص سے ندوۃ العلماء کو پچاس ہزار روپے کی مدد فراہم کی۔ شبلی نعمانی نے اس مدد کو تائید غیبی قرار دیا (شبلی، ۱۹۳۸ء، ص: ۸۱)، جس کی بدولت دارالعلوم ندوۃ العلماء کی نہ صرف بنیاد مستحکم ہوئی، بلکہ اس کی تمام آیندہ ترقیوں کے لیے راستہ صاف ہو گیا:

"گو آیندہ ندوہ کسی حد تک بڑھے اور کتنی ہی ترقی کر جائے، لیکن انصاف یہ ہے کہ جو کچھ ہو گا، اسی فیاضی کا پرتو، اسی تخم کا ثمر، اسی آفتاب کی شعاعیں ہوں گی۔ اے صوبہ الہ آباد، اے اودھ! تو نہایت وسیع، نہایت ممتاز، نہایت معزز ملک ہے، لیکن سچ یہ ہے، اور اب اس سے خود تجھ کو انکار نہیں کرنا چاہیے کہ پنجاب نہیں، بلکہ اس کی ایک ریاست نہیں، بلکہ اس کی ایک خاتون محترم کے آگے تیری گردن ہمیشہ کے لیے جھک گئی۔ تو نے کبھی برہان الملک اور آصف الدولہ پیدا کیے ہوں گے، لیکن تو کسی زبیدہ خاتون کا نام نہیں لے سکتا"۔ (شبلی نعمانی، ۱۹۳۸ء، ص: ۸۴)

شبلی نعمانی نے اس کار خیر میں شریک کونسل آف ریجنسی کے صدر۔ مولوی سر رحیم بخش (۱۸۵۷۔ ۱۹۳۹ء)، ڈائریکٹر تعلیمات۔ مولوی محمد دین (وفات: ۱۹۳۳ء) سمیت کونسل کے تمام اراکین (۳) اور مولانا غلام محمد شملوی کا بھی شکریہ ادا کیا، جن کی وساطت سے یہ بات ریاست تک پہنچی تھی (شبلی نعمانی، ۱۹۳۸ء، ص: ۸۵)۔ ۱۰/ مارچ ۱۹۰۸ء کو شبلی نعمانی نے ریاست بہاول پور کے نام "ریاست بہاول پور کی بے مثل فیاضی اور زندہ زبیدہ خاتون" کے عنوان سے شکریہ کا خط تحریر کیا، جو ریاست کے دفتر دستاویزات (محافظ خانہ) میں "اہم خطوط و دستاویزات ریاست بہاول پور (۱۸۷۲۔ ۱۹۲۱ء)" کے ذخیرہ میں شمارہ نمبر ۵ کے تحت موجود تھا (محمد طاہر، ص: ۲۰۴)۔ شبلی نعمانی کے دیگر مکتوبات میں بھی بہاول پور کا ذکر گاہے گاہے ملتا ہے۔ مثلاً ۲/ مئی ۱۹۱۰ء، ۱۷/ نومبر ۱۹۱۰ء، ص ۲۷۵ وغیرہ۔ حکیم غلام غوث بہاول پور، سرکاری طبیب و سپرنٹنڈنٹ آبکاری ریاست خیر پور سندھ کے نام موجود چار مکتوبات

مرقومہ ۱۹۱۰ء، ۱۳؍دسمبر ۱۹۱۲ء، ۲۶؍اکتوبر ۱۹۱۲ء اور ۹؍نومبر ۱۹۱۳ء (ص ۳۲۵ تا ۳۲۷) ملتے ہیں۔ ۱۹۱۰ء کے مکتوب میں شبلی نے مکتوب الیہ کے بچے کی ولادت کی مناسبت سے مادۂ تاریخ "حکیم تشریف آوردند" (۱۳۱۹ھ) بھی تحریر کیا ہے۔ (شبلی، ۱۹۲۸ء، ص ۳۲۵۔۳۲۷)

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے ترقی کی کچھ اور منازل طے کیں تو دارالاقامہ کی ضرورت آن پڑی۔ ایک کمرے کی تعمیر پر ڈیڑھ ہزار روپے کی لاگت کا تخمینہ تھا۔ چنانچہ ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس (۹، ۱۰، ۱۱؍فروری ۱۹۲۵ء) منعقدہ لکھنؤ میں دارالاقامہ کی تعمیر کے لیے ہر صوبے سے پندرہ ہزار روپے کی رقم کی فراہمی کی تجویز منظور کی گئی (ندوی، معین الدین، ۲۰۱۱ء، ص ۲۳۷)۔ نومبر ۱۹۲۵ء میں ندوۃ العلماء کا اجلاس مولوی سر رحیم بخش کی صدارت میں انبالہ میں منعقد ہوا، جس میں اس تجویز کی تجدید کی گئی (سید سلیمان ندوی، دسمبر ۱۹۲۵ء، ص ۴۰۲)۔ لیکن ہنوز خاطر خواہ اسباب میسر نہ تھے۔ چنانچہ ناظم ندوۃ العلماء محمد علی حسن خان نے ریاست بہاول پور کے نام ایک خط لکھا جو ۲۴؍اکتوبر ۱۹۲۷ء کو یہاں وصول ہوا۔ نواب صاحب کی جانب سے ان کے اسسٹنٹ پرائیویٹ سکریٹری غلام محمد نے جواب لکھا۔ خط سے ایک اقتباس:

> "حضور بندگان عالی دام اقبالہم و ملکہم کو اغراض ندوہ سے، جن کے ساتھ مسلمانان ہند کے مذہبی گہرے تعلقات وابستہ ہیں، کامل ہمدردی ہے اور حضور ممدوح ایسے شعبہ دینی کو اسلام اور اسلامیان کی زیست و عزت کے لیے جزو لاینفک خیال فرماتے ہیں...... حضور آقائے نامدار اغراض ندوہ کی کامیابی اور کارکن صاحبان کی سعی عنداللہ ماجور ہونے کی دعا فرماتے ہیں"۔ (محمد علی حسن خان، ص ۳)

نواب صاحب کے نمایندے کی حیثیت سے مولانا غلام حسین (۴) (۱۸۷۴۔ ۱۹۴۹ء)، وزیر تعلیم و امور داخلہ ریاست بہاول پور کی صدارت میں دارالعلوم ندوۃ العلما کا بائیسواں سالانہ اجلاس ۲۵، ۲۶؍اور ۲۷؍نومبر ۱۹۲۷ء کو امرت سر میں منعقد ہوا۔ سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴۔ ۱۹۵۳ء) کے مطابق:

> "ریاست بہاول پور کو ندوۃ العلماء سے اس کے آغاز کار سے جو تعلق رہا ہے، مولانا ممدوح کی صدارت نے اس کو اور بھی مستحکم اور ناقابل شکست بنادیا ہے۔

دارالعلوم کی درس گاہ تمام تر اسی ریاست کی ایک شاہی خاتون کی مرہون منت ہے۔
ہم کو امید تھی کہ اس درس گاہ کا ناتمام حصہ بھی اسی ریاست اسلامیہ کے دست جود وسخا
سے انجام کو پہنچے، چنانچہ اس اجلاس میں جناب معلیٰ القاب ہزہائنس فرماں روائے
ریاست خلد اللہ ملکہ کی طرف سے ۱۵؍ ہزار کی گراں قدر امداد مرحمت فرمائی گئی''۔
(معین الدین ندوی، ص ۲۸۹)

مولانا غلام حسین نے ریاست کی طرف سے پچیس ہزار یک سوستر روپے محمد علی حسن خان کو دیے۔ جن میں پندرہ ہزار روپے ریاست کی جانب سے، دس ہزار دس روپے ریاست کے ارکان وعمائد کی جانب سے، اور ایک سو ساٹھ روپیہ چندہ رکنیت شامل تھا (محمد علی حسن خان، ص ۶)۔ علاوہ ازیں، نواب محمد بہاول خان خامس نے ۱۹۰۳ء میں اپنی مسند نشینی کے موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لیے تین سو روپیہ سالانہ کا وظیفہ جاری کیا تھا، اس موقع پر یہ رقم بڑھا کر پانچ سو روپے کر دی گئی۔ اس اجلاس میں سلیمان ندوی نے تجویز پیش کی کہ دارالعلوم میں مدرسین اور مبلغین کی تیاری کے لیے دو درجہ کھولے جائیں اور ہونہار اور مستعد طلبہ کی تدریس اور تبلیغ کے لیے دو دو برس تک ۳۵، ۳۵؍ روپے کے وظائف دیے جائیں۔ اس مقصد کے لیے مولانا غلام حسین نے بھی ایک وظیفہ دینے کا اعلان کیا (معین الدین ندوی، ص ۲۸۹)۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اسی اجلاس کے دوران ۲۶؍ نومبر کی شام مولانا غلام حسین کی بہو کی وفات کا تار ملا، جنہیں وہ اس اجلاس میں شرکت کے لیے بستر علالت پر چھوڑ کر امرت سر آئے تھے۔ (محمد علی حسن خان، ص ۵)

(۲)

ندوۃ العلماء کے جن فرزندوں نے ریاست بہاول پور کے لیے علمی خدمات انجام دیں، ان میں سرفہرست نام ندوۃ العلماء کے ناظم، معتمد اور روح رواں سلیمان ندوی کا ہے، جن کی اس ریاست سے دلی وابستگی کا آغاز بھی ۱۹۰۸ء سے ہی ہوا:

''سرکار بہاول پور کا نام سب سے پہلی دفعہ میرے کانوں نے ۱۹۰۸ء میں
سنا جب میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معمولی طالب علم تھا۔ عالی حضرت جدہ ماجدہ
صاحبہ نے یک مشت پچاس ہزار کی شاہانہ رقم ندوۃ العلماء کی تعمیر کے لیے عطا

فرمائی تھی اور وہ بتیس برس کی بات یوں یاد رہ گئی کہ اس خوشی میں اس دن ہم تمام طالب علموں نے اپنے کھانے مستحقین کو تقسیم کردیے تھے اور خود بھوکے رہے تھے"۔

(سلیمان ندوی، ۱۹۸۲ء، ص: ۱۸۲)

اسی دیرینہ تعلق کے سبب ۱۹۳۴ء میں علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷-۱۹۳۸ء) اور سر راس مسعود (۱۸۸۹-۱۹۳۷ء) کی معیت میں سفر افغانستان کے موقع پر کابل سے قندھار اور چمن ہو کر کوئٹہ جاتے ہوئے بہاول پور کے اسٹیشن پر پہنچے تو عقیدت مندانہ نظروں سے اس ریاست کے در و دیوار کو دیکھا اور ایک انسیت محسوس کی (سلیمان ندوی، ۱۹۳۴ء، ص ۱۸۴)، کہتے ہیں:

"میرے لیے بہاول پور کی سرزمین میں عقیدت کا ایک اور مرکز بھی ہے، آپ صاحبان کو معلوم ہوگا کہ مجھے تاریخ اسلام سے تھوڑی بہت دلچسپی ہے اور اس ذریعہ سے عباسی خاندان کے علمی کارناموں کی تحقیق و تفتیش زندگی کا دلچسپ مشغلہ رہا۔ بہاول پور کے تخت پر جو خاندان فرماں روائی کررہا ہے وہ اپنی تاریخ کے صفحات میں ان کارناموں کی بہت جھلک رکھتا ہے۔ اس لیے اسی عباسی فرماں روا کے پایۂ تخت سے مجھے والہانہ عقیدت ہے"۔ (سید سلیمان ندوی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۸۲)

سید سلیمان ندوی نے اس ریاست کے فرماں روا سے عقیدت کا ثبوت یوں دیا کہ جب مولانا عبدالعزیز شرقی، جنرل سیکرٹری مدرسۃ البنات جالندھر کی درخواست پر نواب صادق محمد خان خامس نے رسول صادقؐ کے عنوان سے سیرت رسولؐ پر ایک کتابچہ لکھا اور مسودہ انہیں بھجوا دیا۔ مولانا نے اشاعت سے قبل کسی مستند عالم دین کو دکھا لینا مناسب سمجھا اور اس مقصد کے لیے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ (۵) کے موقع پر لاہور میں دوسرے اجلاس کے بعد سید سلیمان ندوی سے اس کی اصلاح کی درخواست کی۔ سید سلیمان ندوی نے اسی عقیدت کے سبب مولانا کی درخواست منظور کی اور عدیم الفرصتی کے باوجود علمائے پنجاب کانفرنس، منعقدہ لدھیانہ میں ایک پوری شب مولانا کے ساتھ بیٹھ کر اس مسودے کو حرف بحرف پڑھا اور اصلاح کی۔ کچھ مشورے بھی دیے۔ بعدازاں اس مسودے کی کتابت عبدالمجید پروین رقم (۱۹۰۱-۱۹۴۶ء) نے کی اور ۱۹۳۵ء میں یہ کتاب مرکز اشاعت سیرت جالندھر سے شائع ہوئی۔ (قمرالزمان عباسی، ص ۴۸)

بہاول پور کی سرزمین کو سلیمان ندوی کی میزبانی کا شرف پہلی مرتبہ ۱۹۴۰ء میں حاصل ہوا، جب صادق ایجرٹن کالج بہاول پور (تاسیس: ۱۸۸۶ء) میں سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر انھیں مدعو کیا گیا۔ کالج کے لیے یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ یہ کارنامہ ریاست کے وزیر تعلیم میجر شمس الدین محمد (۱۹۲۲۔۱۹۴۹ء) اور اس وقت کے پرنسپل شیخ عبدالمجید (پہلا دور ۳۷۔۱۹۴۱ء، دوسرا دور ۴۹۔۱۹۵۰ء) نے انجام دیا۔ ٹھیک اسی تاریخ کو آپ کو اسلامیہ کالج پشاور کے جلسہ تقسیم اسناد کے لیے دعوت دی گئی تھی، لیکن انہوں نے بحیثیت تعلیم یافتہ وخدمت گذار ندوۃ العلماء ریاست بہاول پور سے روابط کی بنا پر پشاور کی بجاے بہاول پور کو ترجیح دی۔ بقول:

> ''ایک قدیم خدمت گار اور ممنون احسان ندوی کو باوجود بہت سی مشغولیتوں کے اس دعوت سے انکار کی جرأت کسی طورنہ ہوئی''۔ (سلیمان ندوی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۸۳)

۶/تا ۲۳/مارچ ۱۹۴۰ء کے دوران ہونے والا یہ سفر پشاور، لاہور، بہاول پور، لکھنؤ اور امرت سر کے دورے پر مشتمل تھا۔ آپ ۱۳/مارچ کی شام بہاول پور پہنچے۔ بہاول پور کے اسٹیشن پر افسران ومتعلقان تعلیم استقبال کے لیے موجود تھے۔ انہیں سرکاری مہمان خانہ ''عباس منزل'' (۶) میں ٹھہرایا گیا، جہاں رات گیارہ بجے تک جاگ کر انہوں نے اپنا خطبہ تیار کیا۔ (سلیمان ندوی، مئی ۱۹۴۰ء، ص ۳۲۷)۔

۱۴/مارچ ۱۹۴۰ء بروز جمعرات گیارہ بجے دن کالج کے ''صادق لائبریری ہال'' میں اعطاء اسناد کا جلسہ بہاول پور کے وزیر مال ۔ مسٹر ایف اینڈرسن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مسٹر ایف اینڈرسن نے اسناد تقسیم کیں۔ اعطاء اسناد کے بعد سید سلیمان ندوی نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا (۷)۔ (سلیمان ندوی، مئی ۱۹۴۰ء، ص ۳۲۷)۔ آپ نے جلسے کی تمام گذشتہ روایات سے ہٹ کر اپنا خطبہ اردو میں دیا۔ جس سے ایک نئی روایت کا آغاز ہوا اور بعد میں بھی اکثر اس پر عمل ہوتا رہا۔ اس خطبے کے چند اقتباسات:

> ''آپ نے شاید سب سے پہلی دفعہ اس کرسی کو، جو اب تک صرف اعلی منصب کے انگریزی تعلیم یافتوں کے لیے خاص تھی، اس حد تک نیچے کر دیا کہ پرانے طرز کے ایک مولوی کو اس پر بیٹھنے کی عزت دی ہے''۔

”ہندوستان کی تمام اسلامی ریاستوں میں اس ریاست کو خاص اہمیت حاصل ہے کہ اس کی آبادی میں ۸۵ فیصدی مسلمان بستے ہیں۔ اس بنا پر اس کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک خاص وابستگی ہے اور چونکہ عدل وانصاف اور بے تعصبی اس ریاست کا خاص دستور ہے، اس لیے بلاتفریق ہر قوم ومذہب کے لوگوں میں اس کو ہر دل عزیزی حاصل ہے“۔

”عزیزو! جاگو، دنیا تمہارے کارناموں کے انتظار میں ہے۔ جاؤ اور اپنے فرماں روائے اعلیٰ حضرت شہر یار بہاول پور کو علم کے زیر سایہ بہاول پور کو اونچا کرو اور اپنی کامیابی سے اس کو کامیاب بناؤ۔ موقع ہے اور اس موقع کو ضائع نہ کرو:

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا کچھ کر لو نوجوانو! اٹھتی جوانیاں ہیں“

ان کی تجویز اور خطبے کا دعائیہ جملہ ریاست اور اس کالج کے تابناک مستقبل کی طرف اشارہ کرتا ہے:

”آپ نے نہروں کا جو وسیع سلسلہ قائم کیا ہے، جس نے آپ کی ریاست کو پہلے سے دوچند کر دیا ہے، اس کے لیے انجینئر نگ کی تعلیم یا اس تعلیم میں سہولت کے ذرائع اس ریاست کی تعلیم کا خاص مطمح نظر ہونا چاہیے...... اس دن کی امید کرتا ہوں جس دن تعلیمی خودمختاری حاصل ہوگی، یعنی یہ کالج بڑھ کر ایک دن بہاول پور یونیورسٹی بن جائے گا“۔ (سلیمان، ۱۹۸۲ء، ص ۱۸۶)

چنانچہ اسی سال اکتوبر ۱۹۴۰ء میں کالج میں انجینئر نگ کی تدریس کا آغاز ہوا، جس کا پہلا امتحان ۱۹۴۱ء میں لیا گیا (منور علی خان، ص ۳۳)، جبکہ یونیورسٹی بننے کی یہ امید ۱۹۷۰ء میں بر آئی جب کالج میں ایم اے معاشیات اور طبیعات کا آغاز ہوا۔ (منور علی خان، ص ۳۶)

سلیمان ندوی کی بہاول پور آمد کو علم وعرفان کی بارش سے تعبیر کیا گیا۔ حکیم احمد علی سیف (۸) (وفات ۹/جون ۱۹۷۳ء) نے اس مناسبت سے اسی جلسہ میں درج ذیل نظم پڑھی:

جس پہ نازاں ہیں مسلمان، وہ مسلمان آیا پیکر علم کہیں جس کو وہ انساں آیا
دی ہے قسام ازل نے جسے طبع نقاد مژدہ اے قوم کہ وہ شبلی دوراں آیا
ہم کہاں اور وہ کہاں، میں تو یہ کہہ دیتا ہوں مور بے مایہ کے پاس آج سلیماں آیا

جس کو کہنا ہے بجا حافظ تاریخ جہاں سیف اس شہر میں وہ فاضل دوراں آیا

مولانا سید سلیمان ندوی نے جواب میں یہ فی البدیہہ اشعار کہے:

انسان وہ ہے جو انسان کو انساں سمجھے سچ تو یہ ہے کہ گدا کو بھی سلطاں سمجھے

احباب کے ذوق کا ممنون ہوں میں ایک مور ناچیز کو بھی سلیماں سمجھے

(منور علی خان، ص ۹۸-۹۷)

۱۵/ مارچ ۱۹۴۰ء کو اسی کالج میں اس مجیدیہ ہسٹری سوسائٹی (۹)، بہاول پور کے زیر اہتمام ''خصائص اسلامی'' کے موضوع پر طلبہ سے خطاب کیا۔ جلسہ وزیر اعظم ریاست بہاول پور۔ سر رچرڈ کرافٹن کی زیر صدارت منعقد ہوا (منور علی خان، ص ۱۰۴)، جس میں علما، حکام، معززین، کالج کے اساتذہ اور طلبہ شریک تھے۔ یہ خطاب ڈیڑھ گھنٹے پر مشتمل تھا۔ سید سلیمان ندوی نے اپنے اس خطاب کے متعلق کہا:

> ''ایسا نظر آتا تھا یہ (تقریر) دلوں میں گھر کر رہی ہے، مگر آج کل کی تقریروں کی تاثیر ہی کیا، اس کی اصلیت انسانی گراموفون سے زیادہ نہیں اور اس کا ماحصل ایک ''واہ'' کے سوا کچھ نہیں''۔

۱۵/ مارچ کو ریاست کی جامع مسجد میں فضائل نبویؐ پر وعظ ہوا۔ جس میں مسلمانوں کو اس نسبت نبویؐ کے شرف کی بنا پر اشرف الامم بتا کر ان کو خیر الامم بننے کا شوق دلایا گیا اور اولاد کو اسی رنگ میں تعلیم دینے کا مشورہ دیا گیا۔ (سلیمان ندوی، مئی ۱۹۴۰ء، ص ۳۲۷-۳۲۸)

علم و ادب کے دلدادہ آخری فرماں روائے ریاست بہاول پور۔ نواب صادق محمد خان خامس کے حسب حکم ۱۹۲۵ء میں یہاں جامعہ الازہر مصر کی طرز پر جامعہ عباسیہ (موجودہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور) کی بنیاد رکھی گئی۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی (۱۸۸۶-۱۹۴۷ء) شیخ الجامعہ مقرر ہوئے اور کئی جید علما اور ماہر علوم دینیہ کو بیرون ریاست سے بلا کر بحیثیت استاد مقرر کیا گیا۔ جامعہ کا نصاب تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء کی طرز پر مرتب کیا گیا، جو عام دینی مدارس کی طرز سے ذرا ہٹ کے تھا۔ برصغیر پاک و ہند میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بعد جامعہ عباسیہ اس لحاظ سے ممتاز تھا کہ اس کے نصاب تعلیم و علوم دینیہ کے ساتھ عصری مضامین یعنی تاریخ، جغرافیہ، ریاضی اور بقدر ضرورت میٹرک کے معیار تک کی انگریزی زبان بھی نصاب میں شامل تھی (ناظم ندوی، ص ۵۷)۔ جامعہ عباسیہ کے نصاب کی

اصلاح وترمیم کی مشاورت کے لیے ریاست کے ارباب علم کے سامنے سید سلیمان ندوی سے بہتر اور مناسب نام کوئی اور نہیں تھا۔ چنانچہ وزارت تعلیم کی جانب سے انہیں درخواست بھیجی گئی، جسے ان کی مصروفیات کی وجہ سے بہت عرصہ تک پذیرائی نہ مل سکی۔ بقول سید سلیمان ندوی:

> ”موجودہ وزیر تعلیم عالی مرتبت میجر شمس الدین محمد صاحب نے جب سے محکمہ تعلیم کی عنان اپنے ہاتھ میں لی ہے، تعلیم کی اصلاح کے مسئلہ پر خاص توجہ مبذول فرمائی ہے۔ اسی سلسلہ میں جامعہ اسلامیہ کی اصلاح کا خیال بھی ان کے سامنے تھا اور اس کے لیے میری یاد فرمائی ایک سال سے جاری تھی“۔ (سلیمان ندوی، مئی ۱۹۴۰ء، ص ۳۲۷-۳۲۶)۔

صادق ایجرٹن کالج کی تقسیم اسناد کی تقریب سلیمان ندوی کے لیے بقول ان کے ”یک کرشمہ دوکار“ ثابت ہوئی (سلیمان ندوی، مئی ۱۹۴۰ء، ص ۳۲۷)۔ جامعہ کو ان کی میزبانی کا یہ شرف شیخ الجامعہ۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی کے دور میں حاصل ہوا (شبلی، نصیر الدین، ص ۱۵۰)۔ اس موقع پر سید سلیمان ندوی کے معاینہ کے دوران مولانا عبید اللہ (۱۹۰۷-۱۹۶۷ء)، بوعلی سینا کی اشارات پڑھا رہے تھے۔ آپ مدرسہ معینیہ اجمیر شریف کے سند یافتہ تھے۔ دہلی میں مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس مفتی کفایت اللہ اور مولانا معین الدین اجمیری کی خدمت سے علمی استفادہ کیا۔ علوم نقلیہ وعقلی کے ماہر تھے۔ جامعہ کے معلم اعلیٰ رہے۔ تیسرے شیخ الجامعہ رہے۔ معاینہ کے بعد سید سلیمان ندوی نے اپنے تاثرات میں لکھا:

> ”میں نے ایک ایسے عالم کو اشارات پڑھاتے سنا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ خود مصنف کتاب پڑھا رہے ہیں“۔ (رحمت، عبدالرشید، ص ۲۱۶)

مولانا عبدالحمید رضوانی (وفات: ۱۸ جولائی ۱۹۷۹ء) جامعہ کے آخری دور (۱۹۶۰-۱۹۶۳ء) میں نائب الشیخ تھے۔ وہ اپنے دور کے عبقری تھے۔ متداول کتب از بر تھیں۔ ان کا لیکچر سننے کے بعد سید سلیمان ندوی نے اپنی رپورٹ میں لکھا:

> ”ایک نوجوان کو سلم العلوم پڑھاتے دیکھا۔ وہ کتاب سمجھانے کا حق ادا کر رہا تھا“۔ (رحمت، عبدالرشید، ص ۲۱۸)

اس سفر میں سلیمان ندوی کی ملاقات بہاول پور کی معروف علمی و ادبی شخصیت مولوی

عزیز الرحمان عزیز (۱۸۷۳-۱۹۴۴ء) سے بھی ہوئی، جو ڈسٹرکٹ جج کے عہدے سے سبک دوش ہونے کے بعد نواب صاحب کے ذاتی کتب خانہ وعجائب خانہ جو کتب خانۂ سلطانی اور میوزیم سلطانی کے نام سے شہرت حاصل تھی، کے سپرنٹنڈنٹ اور ناظم سررشتۂ تالیفات تھے۔ ان دنوں وہ العزیز (۱۹۴۰-۱۹۴۶ء) نام سے ایک علمی، ادبی اور تاریخی ماہنامہ کے اجرا کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ عزیز نے پہلا شمارہ، جو ابھی مرتب ہو رہا تھا، سید سلیمان ندوی کو ملاحظہ کے لیے پیش کیا۔ مطالعہ کے بعد انھوں نے ۱۶/ مارچ ۱۹۴۰ء کو ایک خط لکھا، جسے عزیز نے اپنی خوش نصیبی گردانتے ہوئے العزیز کے مئی ۱۹۴۰ء کے شمارے میں شائع کیا۔ ذیل میں خط کا متن درج کیا جاتا ہے:

> "مجھے اپنے بہاول پور کے اولین ورود کے موقع پر بہاول پور کے ممتاز علم دوست صاحب علم وقلم مولانا عزیز الرحمان عزیز۔ ناظم کتب خانۂ سرکاری سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔ یہ موصوف ہی کی ذات ہے جن کی نگرانی میں اس زمین کا سب سے پہلا پودا العزیز آمادہ نشو ونما ہے۔ موصوف نے اپنی مہربانی سے مجھے اس کا پہلا نمبر، جو ابھی تیار ہو رہا ہے، دیکھنے کو عنایت کیا۔ مضامین کا تنوع، نظم ونثر کا انتخاب، تاریخی اور علمی مقالات، مختصر علمی اخباری نکات، ہر چیز اپنی جگہ مفید اور دلچسپ نظر آتی ہے۔ مضامین کا حسن ترتیب صاحب قلم مدیر کے دیرینہ تجربہ کا پتہ دیتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اعلیٰ حضرت شہریار بہاول پور خلد اللہ ملکہ، کے زیر سایہ یہ پودا نشو ونما پائے گا اور کچھ ہی دنوں میں بہاول پور کا یہ نونہال، ہندوستان کے علمی چمن زار میں ایک نئے دل پذیر نخل بارور کا اضافہ کرے گا"۔ (عزیز، بزم عزیز، مئی، ۱۹۴۰ء، ص ۳-۲)

۱۹۴۳ء میں عزیز الرحمان عزیز کی مشہور تصنیف صبح صادق، آغاز اسلام سے تمام خاندان عباسیہ اور ۱۹۴۲ء تک فرماں روایان ریاست بہاول پور کی مکمل تاریخ عزیز المطابع، بہاول پور سے شائع ہوئی۔ سید سلیمان ندوی نے اس کی اشاعت پر خوشی کا اظہار کیا اور پانچ صفحات کا مفصل تبصرہ لکھا جو معارف اکتوبر ۱۹۴۳ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ تبصرے کا کچھ حصہ:

> "اسلامی ریاستوں میں بہاول پور کی تاریخ سے ملک کو پوری طرح آگاہی نہیں۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اس ریاست کی تاریخ کی کتابیں اول تو ایک

دو سے زیادہ نہ ہوں گی، اور وہ بھی پبلک کے ہاتھوں میں نہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کو اس ریاست کی اس نسبت سے کہ وہ خلفائے عباسیہ کی یادگار ہے، قدرۃً غیر معمولی دلچسپی ہے۔ ایسی حالت میں بہاول پور کے ایک کہنہ مشق فاضل مورخ واہل قلم دبیر الملک ابوالحسنات محمد عزیز الرحمان صاحب عزیز (ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج، بہاول پور، حال سپرنٹنڈنٹ میوزیم سلطانی وناظم سررشتہ تالیفات بہاول پور) کا ممنون ہونا چاہیے کہ انہوں نے صبح صادق لکھ کر معلومات کے ایک نئے آفتاب کو طلوع ہونے کا موقع دیا ہے۔ صبح صادق موصوف کی وہ تاریخی تصنیف ہے جس میں انہوں نے اس ریاست کی مستند تاریخ قلم بند کی تھی اور اب انہوں نے مزید اضافوں کے ساتھ اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے۔ چونکہ مصنف خود بھی ایک قدیم خاندان کی یادگار ہیں اور انہی اطراف ودیار سے ان کا تعلق رہا ہے۔ اس لیے ان کی معلومات اس باب میں بہت رسا اور کارآمد ہیں۔ اور جن کتابوں کی مدد سے اس کو ترتیب دیا گیا ہے، ان تک رسائی انہی کے لیے ممکن تھی...... اہل علم مصنف کے ممنون ہوں گے کہ انہوں نے اس ریاست کا حال لکھ کر تاریخ کے ایسے گوشوں کو روشن کیا ہے جو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے"۔ (سلیمان ندوی، اکتوبر ۱۹۴۳ء، ص ۳۱۱-۳۱۵)

مولانا سید سلیمان ندوی نے کتاب میں پائے جانے والے تسامحات اور اغلاط کی نشان دہی بھی کی، جن کا جواب العزیز اکتوبر ۱۹۴۲ء کے شمارے میں دیا گیا۔ ان کا یہ تبصرہ العزیز دسمبر ۱۹۴۳ء کے شمارے میں مدیر حفیظ الرحمان حفیظ (۱۸۹۶-۱۹۵۹ء) کے نوٹ کے ساتھ نقل کیا گیا (حفیظ، دسمبر ۱۹۴۳ء، ص ۴۱)۔

۱۹۵۲ء میں جامعہ عباسیہ کو ایک مرتبہ پھر یہ امتیاز حاصل ہوا کہ اس کی نصاب سازی کے لیے سید سلیمان ندوی بہاول پور تشریف لائے۔ یہ دورہ چوتھے شیخ الجامعہ مولانا ناظم ندوی (۱۹۱۳-۲۰۰۰ء) کے دور میں انجام پایا۔ سید سلیمان ندوی نے مارچ ۱۹۵۲ء کو شاہ معین الدین احمد ندوی (۱۹۰۳-۱۹۷۴ء) کے نام ایک خط میں اپنی علمی وتعلیمی مصروفیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"مارچ کا مہینہ بہت مصروف ہے...... جامعہ عباسیہ بہاول پور کے نصاب کا کام کرنا ہے۔ مولوی ناظم ندوی وہاں کے شیخ الجامعہ ہو گئے ہیں، چار سو روپے تنخواہ

ملتی ہے‘‘۔(معین الدین ندوی،۲۰۱۱ء،ص ۴۶۲) (باقی)

حواشی

(۱) کندن بی بی،نواب صادق محمد خان رابع (۱۸۶۶-۱۸۹۹ء) کی اہلیہ اور ریاست بہاول پور کے مغربی علاقہ خان پور کے ایک رئیس محمد رمضان خان افغان کی صاحبزادی تھیں۔انہیں سرکاری طور پر ’’حضور حضرت مائی صاحبہ‘‘ کا خطاب دیا گیا تھا اور اسی نام سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ڈیراور کے شاہی قبرستان میں دفن ہیں۔(۲) ان امدادی رقوم کی تفصیل: ’’اہم خطوط و دستاویزات ریاست بہاول پور‘‘ (۱۸۷۲-۱۹۲۱ء) عنوان کے تحت ۱۹۸۰ء کی دہائی تک محافظ خانہ، بہاول پور میں موجود تھی۔اب یہ دستاویزات ضائع ہو چکی ہیں۔(۳) کونسل آف ریجنسی کے دیگر ممبران میں مرزا سلطان احمد (ریونیو ممبر)، مولوی عبدالرحمان (ملٹری ممبر)، دیوان آسانند (فنانس ممبر) شامل تھے Nazeer Ali Shah, *Sadiq Namah*, Maktaba jadeed, Lahore, 1959, P: 72۔ (۴) مولانا غلام حسین ۱۹۰۸ء میں نواب صادق محمد خان خامس کے اتالیق مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں جب نواب صاحب کو اختیارات منتقل کیے گئے تو انہیں امور داخلہ اور محکمہ تعلیم کی وزارتیں تفویض ہوئیں۔عربی اور فارسی کے بلند پایہ عالم تھے۔فارسی اور اردو میں نعتیہ اشعار کہتے تھے اور حقانی تخلص کرتے تھے۔تفصیل کے لیے دیکھیے: عصمت درانی، ریاست بہاول پور کے عمائد کی فارسی ادبی خدمات، معارف، مئی ۲۰۱۶ء،ص ۳۳۸۔(۵) پہلے اجلاس کی صدارت نواب صادق محمد خان خامس، دوسرے کی حبیب الرحمان شروانی اور تیسرے کی سید سلیمان ندوی کو کرنا تھی (قمر الزمان عباسی،ص ۴۸)۔(۶) یہ مہمان خانہ اسلامیہ یونیورسٹی کے موجودہ کیمپ آفس کے بالمقابل واقع تھا۔ ۱۳؍دسمبر ۱۹۴۹ء کو مولانا شبیر احمد عثمانی کی وفات اسی عمارت میں ہوئی جو جامعہ کی نصاب سازی کے لیے یہاں مقیم تھے۔بعد ازاں ایک طویل مدت تک قائداعظم میڈیکل کالج کے ہاسٹل کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔اب یہ عمارت منہدم ہو چکی ہے۔اس نام کا ایک محل ڈیرہ نواب صاحب میں بھی موجود تھا جو ولی عہد نواب محمد عباس خان عباسی (۱۹۲۴-۱۹۸۸ء) کی اقامت گاہ تھا۔(۷) یہ خطبہ الندوہ لکھنؤ (اپریل ۱۹۴۰ء) کے علاوہ الزبیر، بہاول پور نمبر، ۱۹۸۲ء (ص ۱۸۲ تا ۱۸۷) اور الزبیر، بہاول پور نمبر ۱۹۹۴ء (ص ۲۴۵ تا ۲۴۹) اور صادق ایجرٹن کالج کے مجلہ نخلستان ادب (اجرا ۱۹۱۲ء) کے ’’شخصیات نمبر‘‘ ۲۰۱۲ء میں (ص ۸۴ تا ۸۶) بھی شائع ہوا۔(۸) حکیم احمد علی سیف ضلع روہتک کے رہنے والے تھے۔بصارت چشم سے محروم تھے۔ذریعہ معاش طبابت تھی۔شعر و سخن سے دلچسپی تھی لیکن خود کو نعت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔۱۳۴۹ھ میں پاک و ہند کے مشہور نعت گو شعرا کا منتخب کلام بوستان نعت نام سے مرتب کر کے شائع کروایا۔تفصیل کے لیے دیکھیے شہاب دہلوی، مسعود حسن، بہاول پور میں اردو، ۱۹۸۳ء، اردو اکیڈمی، بہاول پور،ص ۲۴۹۔(۹) پروفیسر شیخ عبدالمجید بہاول پور میں ’’بابائے تعلیم‘‘ نام سے مشہور تھے۔ ان کے زمانے میں کالج میں بہت سی علمی و تعلیمی اصلاحات کے علاوہ ’’مجیدیہ ہسٹاریکل سوسائٹی‘‘ قائم ہوئی، جس کے صدر وہ خود تھے (منور علی خان،ص ۵۶)۔

اخبار علمیہ

”رامائن کے اقتباسات کا اردو ترجمہ“

پریم نگر، کانپور کی ایک خاتون ماہی طلعت صدیقی نے ہندی ادب میں ڈاکٹریٹ کیا ہے اور سٹی کالج میں تدریسی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ان کا خیال ہے کہ تمام مذاہب بنیادی طور پر امن، اتحاد، محبت اور اخوت و بھائی چارگی کا پیغام دیتے ہیں۔اسی لیے انہوں نے ”رام کتھا اور مسلم ساہتیہ کار ساما گرہ“ کے نام سے رامائن کے بعض اقتباسات کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔اس سے ان کا مقصد دونوں مذاہب کے درمیان قدر مشترک کی نشان دہی اور متحدہ تعلیمات و اقدار کو فروغ دینا ہے۔یہ خیال ان کے ذہن میں اس وقت آیا جب ان کو بدری نارائن تیواری نے رامائن کے ہندی میں کچھ اقتباسات کا انتخاب تحفۃً دیا۔انہوں نے اس کا اور مذہبی اقتباسات پر بعض دوسرے مصنّفین کی تقریباً سات ہندی کتابوں کا دقت نظری اور باریک بینی سے مطالعہ کیا۔ایک سال کے قریب مطالعہ میں گزرا اور چھ مہینہ اس کو اردو قالب عطا کرنے میں صرف ہوا۔رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر صدیقی نے اس کام کو مزید آگے بڑھانے کا ارادہ کیا ہے۔اس لیے دونوں فرقوں کو ان کے اس اہم علمی کام میں تعاون کرنا چاہیے تاکہ ایک دوسرے کی تہذیبی اور مذہبی تعلیمات کی باہم مفاہمت کی فضا استوار ہو۔اسی قسم کی دوسری اردو کتابوں کو ہندی میں کرنے کا بھی ان کا ارادہ ہے۔اس علمی خدمت میں ان کے اہل خاندان بالخصوص ان کی والدہ ڈاکٹر مہ لقا اعجاز صدیقی سابق صدر شعبۂ اردو حلیم مسلم ڈگری کالج کا خصوصی تعاون حاصل ہے۔(تفصیل ”ٹائمس آف انڈیا“، وارانسی، ۳۰/جولائی ۲۰۱۸ء، ص ۴ پر ملاحظہ ہو)

”زمین کے ایکو سسٹم میں درخت کا کردار“

امریکی سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق ایک درخت ایک سال میں گاڑی کے ۲۶/ہزار کلو میٹر فاصلے طے کرنے سے خارج ہونے والی ۴۸ پونڈ کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرتا ہے۔فیکٹریوں سے نکلنے والی ۶۰ پونڈ آلودگی کو فلٹر یعنی صاف کرتا ہے۔طوفانی بارشوں میں جمع ہونے والے ۷۵۰ گیلن پانی کو جذب کرتا، ماحول میں دس اے سی کے برابر ٹھنڈک پہنچتا ہے۔سال بھر میں ایک درخت ۶/ہزار پونڈ آکسیجن پیدا کرتا ہے جس سے پورے سال ۱۸/انسان سانس لیتے ہیں۔اس کے علاوہ

ایک درخت حیاتی تنوع میں اضافہ کا سبب بھی بنتا ہے۔اسٹینفورڈ یونیورسٹی،کیلیفورنیا کے ماہرین نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ صرف ایک درخت لگانے سے اطراف کے ماحول میں کیا تبدیلیاں آتی ہیں کئی خالی جگہوں پر پودے لگا کر ان کا جائزہ لیا۔دیکھا گیا کہ جیسے جیسے درخت بڑھتے گئے ویسے ویسے اس کے پاس اہم جانوروں اور پرندوں کی تعداد بڑھتی گئی اور گردو پیش کے ماحول میں بھی بہتری آنے لگی۔اس سے انسانی زندگی میں درختوں کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔انسان ایک درخت کاٹتا ہے تو اس کے تدارک وتلافی میں طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔رپورٹ میں اقوام متحدہ کی یہ تحقیق بھی درج ہے کہ گذشتہ دس برسوں میں انسان جتنے درخت کاٹ چکا ہے اگر اگلے چودہ سالوں میں ہر برس کم از کم ایک ارب درخت لگائے جائیں تو ممکن ہے کسی حد تک اس نقصان کی تلافی ہوجائے۔اسی طرح شہد کی مکھیوں کے متعلق ہے کہ دنیا بھر میں قریب ۷۰ فیصد فصلوں کی تخم کاری میں مدد کرتی ہیں اگر وہ ناپید ہوجائیں تو انسان ۷۰ فیصد زراعت سے محروم ہوجائے گا۔لہٰذا زمین کے ایکو سسٹم میں بے جامداخلت اور اس کی معمولی سی ماحول دشمن سرگرمیوں کے تباہ کن نتائج ،قدرتی آفات،غذائی قلت اور مہلک امراض کی شکل میں سامنے آسکتے ہیں اور آیندہ نسلوں کے لیے یہ زمین ناقابل رہائش ہوسکتی ہے۔(تفصیل ''طبی ڈائجسٹ الشفاء''،نئی دہلی،جون ۲۰۱۸ء،ص ۸-۹ میں ملاحظہ ہو)

''زمین کا سرد ترین مقام''

یونیورسٹی آف کولوراڈو بولڈ میں واقع نیشنل اسنو اینڈ آئس ڈیٹا سنٹر نے زمین کے ایک ایسے سرد ترین مقام کی نشان دہی کی ہے جس کا درجۂ حرارت منفی ۱۰۰ درجے سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔یہ ڈیٹا اس نے انٹارٹیکا براعظم قطب جنوبی سے سردیوں میں جمع کیا ہے۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سردیوں کی راتوں میں یہاں ٹھنڈک منفی یعنی ۸۹ سینٹی گریڈ تک ہوتی ہے۔یہ ایک بلند اور وسیع میدانی علاقہ سطح مرتفع پلیٹو ہے جو سطح سمندر سے ۳/ ہزار ۵ سو میٹر بلند ہے۔اس سے قبل ۱۹۸۳ء میں روسی موسمیاتی اسٹیشن نے یہاں منفی درجے سینٹی گریڈ سردی نوٹ کی تھی،تاہم سیٹیلائٹ کی تصاویر سے بعض حصوں پر ۹۳ درجے سینٹی گریڈ تک درجۂ حرارت کا امکان ظاہر ہوتا ہے۔ ۲۰۰۴ء سے ۲۰۱۶ء کے جمع شدہ ڈیٹا کے تفصیلی تجزیے سے معلوم ہوا کہ کم از کم سو مقامات ایسے ہیں جہاں درجۂ حرارت منفی ۹۸ سینٹی گریڈ

تک ہوسکتا ہے۔ یہ علاقے سینکڑوں کلومیٹر تک پھیلے ہوئے ہیں اور ان مقامات پر جگہ جگہ برفیلے گڑھے بھی موجود ہیں۔ سائنس داں ان مقامات پر دورے اور یہاں تحقیقی مرکز کے قیام کی کوشش میں ہیں۔(تفصیل روزنامہ ''جنگ''، بحوالہ سہ روزہ ''دعوت'' دہلی، ۷/جولائی، ۲۰۱۸ء،ص ۵ میں ملاحظہ فرمائیں)

''سب سے بڑے ڈاٹا سینٹر کا قیام''

بھوبانیشور، دلی، حیدرآباد اور پونے میں بڑے بڑے ڈاٹا سنٹر موجود ہیں۔ ایک خبر کے مطابق ہندوستان کے شہر بھوپال میں ملک کا سب سے بڑا پانچواں ڈیٹا سنٹر قائم کیا جائے گا۔ ان معلوماتی مراکز کو حکومت کی ویب سائٹ، آن لائن خدمات اور اپلی کیشن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس مرکز کے ذریعہ جہاں ایک طرف انٹرنیٹ کے استعمال کو بہتر بنایا جاسکے گا وہیں دوسری جانب انٹرنیٹ پر یا انٹرنیٹ کے لیے استعمال کیے جانے والے مواد کے تجزیے میں مدد بھی ملے گی۔ (''اردو سائنس'' ماہنامہ، نئی دہلی، جولائی ۲۰۱۸ء، ص ۵۳)

''سعودی عرب میں دنیا کا سب سے بڑا سولر فارم''

ایک خبر کے مطابق سعودی عرب دنیا کا سب سے بڑا شمسی توانائی سے چلنے والا فارم بنانے والا ہے۔ اس منصوبے کے لیے وہ بلومبرگ کی ایک سافٹ بینک کے ساتھ اشتراک کرے گا۔ تکمیل کے بعد اس فارم سے دو لاکھ میگاواٹ بجلی حاصل ہوگی، جو گزشتہ سال دنیا بھر میں توانائی کے متبادل ذرائع سے حاصل شدہ کل مقدار کے ایک تہائی کے برابر ہوگی۔ اس سے سعودی عرب کی بجلی کی پیداوار میں تین گنا اضافہ ہوگا۔ جو قدرتی گیس اور خام تیل سے تیار کی جاتی تھی۔ اس فارم پر کل ۲۰۰/ارب ڈالر خرچ ہوگا۔ ۹۳/ارب ڈالر بینک اور بقیہ سعودی عرب فراہم کرے گا، ۲۰۳۰ء تک اس منصوبے کے مکمل ہونے کا امکان ہے۔(''تعمیر فکر''، بنگلور، مارچ، جون ۲۰۱۸ء، ص ۳۹ پر تفصیل دیکھی جاسکتی ہے)

ک،ص اصلاحی

باب التقریظ والانتقاد

پاکستان سے چند جدید علمی مطبوعات-۵

ڈاکٹر عارف نوشاہی

مآثر رحیمی: ایک ایرانی، عبدالباقی نہاوندی (۹۷۸-۱۰۴۲ھ/۱۵۷۰-۱۶۳۲ء) کی فارسی تصنیف مآثر رحیمی کا اردو ترجمہ سید منصور علی سہروردی (وفات: ۱۹۹۵ء کراچی) نے کیا، پروفیسر شریف حسین قاسمی (دہلی) نے اس پر نظر ثانی کی اور ڈاکٹر حسن بیگ (اسکاٹ لینڈ) نے حواشی و ضمیمہ جات کا اضافہ کیا۔ یوں چار ملکوں کے اہل قلم کی کاوش سے زیر بحث کتاب مآثر رحیمی (خان خاناں بیرم اور عبدالرحیم کی سوانح) تیار ہوئی اور بیک وقت دو اشاعتیں ہوئیں (دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۷ء؛ الفیصل، لاہور، ۲۰۱۸ء، ۲۸۰ صفحات)۔ میرے پیش نظر اس کی لاہوری اشاعت ہے۔ اس ترجمے کی بنیاد مآثر رحیمی (فارسی)، مطبوعہ کلکتہ، ۳۱-۱۹۲۴ء کی دوسری جلد ہے۔ یہ ترجمہ، خان خانان بیرم خان، خان خانان عبدالرحیم، ان کے اجداد اور اخلاف سے متعلق ہے۔ لیکن جہاں جہاں ضرورت پڑی وہاں وہاں مآثر رحیمی کی پہلی اور تیسری جلد سے بھی اقتباسات مستعار لے لیے گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ مآثر رحیمی کا کوئی مسلسل ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد پر ہر دو خانِ خانان کے سوانح ماخوذ اور مرتب کیے گئے ہیں اور ان کی حیات سے جڑے ہوئے واقعات ک شرح و بسط دینے کے لیے حسن بیگ صاحب نے حواشی اور ضمیموں کا اہتمام کیا ہے۔ اس طرح یہ ایک مستند سوانح بن گئی ہے۔ حسن بیگ صاحب کے مقدمے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مآثر رحیمی کی تین جلدوں (مطبوعہ کلکتہ) میں سے پہلی اور دوسری کا ترجمہ سہروردی مرحوم (وفات: ۱۹۹۵ء) نے کیا تھا اور تیسری جلد کا مکمل ترجمہ اس اشاعت (یعنی مآثر رحیمی کی زیر نظر اشاعت) کے لیے ضروری نہیں سمجھا گیا۔ لیکن اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ سہروردی مرحوم کا پورا ترجمہ کہاں گیا اور اس کی موجودہ اشاعت کے لیے تلخیص کس نے کی؟ بہرحال ترجمہ بہت عمدہ اور رواں ہے اور دکھائی دیتا ہے کہ سہروردی مرحوم کتاب کی زبان اور برصغیر کے تہذیبی پس منظر کو اچھی طرح جانتے

ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد۔

تھے۔اگر جزرسی کے ساتھ ترجمے اور متن کا تقابل کیا جائے تو بہت سارے مسائل کو شاید اس لیے نظر انداز کرنا پڑے کہ موجودہ اشاعت مآثر رحیمی کی ایک ماخوذ اور ملخص اشاعت ہے اور اخذ واقتباس یا تلخیص کرنے والے کا اپنا کوئی معیار تھا اور اس نے متعلقہ حصوں میں بھی بہت ساری باتیں چھوڑ دیں۔ اس کے باوجود چند ایک مقامات پر ترجمے پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہے، جیسے:

''آزمائش کے لیے خدمات پر مامور فرمایا'' (ص ۹۲)، یہ فارسی عبارت ''بجہت آزمایش در حضور خدمت می فرمودند'' (ج ۲،ص ۱۰۵) کا ترجمہ ہے۔واقعے کے سیاق وسباق میں متن کا لفظ ''در حضور'' بہت اہم ہے جو ترجمے میں نظر انداز ہوگیا ہے۔یعنی اکبر،عبدالرحیم کے کارنامے سن کر حیران ہوتا اور آزمانے کے لیے ''اپنے سامنے'' (در حضور) کام انجام دینے کے لیے کہتا تا کہ اسے بچشم خود دیکھ کر یقین آسکے۔

''اس سفید عمارت کے جملہ حصے اپنے مال و دولت سے تیار کرائے ہیں'' (ص ۲۰۶)، یہ فارسی عبارت ''وابستہ این بنای خیر را از عین المال خود تعمیر نمودہ'' (ج،ص ۲۰۱) کا ترجمہ ہے۔اس میں ''سفید عمارت'' کہاں سے آگئی؟

''انواع واقسام کے عراقی پھولوں سے سجا'' (ص ۲۰۹)، یہ فارسی عبارت ''بانواع فواکہ عراقی وخراسانی آراستہ'' (ج ۲،ص ۶۰۰)، ترجمے میں فواکہ کا ترجمہ پھول کیا گیا ہے جب کہ پھل ہونا چاہیے، اور خراسانی قلم انداز ہوگیا ہے۔

حسن بیگ صاحب نے مشینی کتابت کی وجہ سے کتب میں اغلاط کے اضافے کی بات کی ہے (ص ۱۷)، ایسا ہی ہے۔لیکن ان اغلاط کو محتاط اور بار بار کی پروف خوانی سے کم کیا جاسکتا ہے۔مآثر رحیمی میں بھی ایسی اغلاط ان کی کوشش کے باوجود موجود ہیں، جیسے:

علیہ راجعون (ص ۱۶) درست: الیہ راجعون؛ خواہوں کی کثرت (ص ۹۱)، درست: بدخواہوں کی کثرت؛ تربیت پر معمور کیا (ص ۹۱) درست: تربیت پر مامور کیا؛ فرماروائی (ص ۲۱۰) درست: فرمان روائی؛ نہاوندی کی تاریخ وفات ۱۰۲۴ھ درج ہوئی ہے (ص ۲۵۶)، درست ۱۰۴۲ھ ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۱۵۹-۱۲۳۹ھ/۱۷۴۶-۱۸۲۴ء) کے احوال، ملفوظات، مکتوبات اور دیگر نوادرات کا ایک مجموعہ، محمد اقبال مجددی صاحب کی جمع وتدوین کے ساتھ شائع ہوا ہے (پروگریسو بکس، لاہور، ۲۰۱۸ء، ۳۷۳ صفحات)۔یہ دراصل ماضی قریب میں شاہ صاحبؒ

پر شائع شدہ چند عمدہ تحقیقی کتب اور مقالات کا انتخاب ہے۔ مرتب نے ابتدا میں شاہ صاحبؒ اور ان کے سوانح نگار مصنّفین/ مقالہ نگاروں، جن کے آثار اس مجموعے میں شامل ہیں، کے حالات کا اضافہ کیا ہے۔ ان میں ایک نام ڈاکٹر محمد ایوب قادری کا ہے (ص ۵۳) لیکن ان کی کوئی چیز اس مجموعے میں شامل نہیں ہوئی! اس مجموعے میں شاہ صاحبؒ کے حالات پر اولین رسالہ کمالات عزیزی تالیف نواب مبارک علی خان، مرتبہ سید ظہیر الدین احمد واللّٰہی بھی تجدید طبع ہوا ہے، لیکن اس میں عجیب بات یہ ہوئی ہے کہ پورے متن میں نونِ غنّہ کی جگہ نونِ اعلان کمپوز ہو گیا ہے جو موجودہ طریقۂ املا نہیں ہے۔ فارسی اشعار کے متن کے اندراج اور ان کے اردو ترجمے میں بھی اشکالات ہیں، جیسے:

اگر آن ترک شیرازی بدست او دل مارا (ص ۱۲۴)، درست: بدست آرد۔

خانہ زرین است دنیا، عیش او پا در رکاب۔

شہسوارست آنکہ زین جانہ رود دامن چیدہ است (ص ۱۲۵)۔

دوسرا مصرع اس طرح موزوں ہو سکتا ہے: شہسوار است آنکہ دامن چیدہ زین خانہ رود۔

مرتب نے مصرعہ اولی میں لفظ رکاب دیکھ کر ''خانہ زرین است'' کا ترجمہ 'دنیا زین ہے' کر دیا ہے۔

زد نیا چورخت اقامت بہ نسبت (ص ۲۳۱)، درست: اقامت ببست

ایک جگہ مادۂ تاریخ ''خورشید ہند'' یوں کتابت ہو گیا ہے: وفات او یکی خورشید بند است (۲۳۲)

یک چراغیست درین خانہ از پرتو آن (ص ۲۳۳)، درست: کہ پرتو آن

پروف خوانی دقت نظر سے نہ ہونے کی وجہ سے کتاب کے تحقیقی مقالات کی تدوین کا معیار بری طرح متاثر ہوا ہے۔ کمالات عزیزی میں نون غنہ کو یکسر نونِ اعلان میں تبدیل کرنے کا ذکر ہو چکا۔ صفحہ ۲۳۲ کے سات سطری حواشی میں چار سہو القلم ہیں: خزینۃ ۃ الاصفیا، اور سال طباعت ۱۲۹ھ (درست: خزینۃ الاصفیا، سال طباعت ۱۲۹۰ھ)، الاعام (درست: الاعلام)، آثار الضادید (درست: آثار الصنادید)۔

مکتوبات حضرت شاہ احمد سعید دہلوی: شاہ احمد سعید مجددی دہلوی (۱۲۱۷-۱۲۷۷ھ/۱۸۰۲-۱۸۶۰ء) کے فارسی خطوط کا ایک مجموعہ ان کے مرید حاجی دوست محمد قندھاری (۱۲۱۶-۱۲۸۴ھ/۱۸۰۱-۱۸۶۷ء) نے جمع کیا اور اس پر مقدمہ لکھا۔ اس مجموعے کا ایک ہی قلمی نسخہ بخط جامع، خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی شریف، ڈیرہ اسماعیل خان میں ہے جس کی بنیاد پر، پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفی خان نے اسے

تحفۂ زواریہ درانفاس سعیدیہ نام سے ۱۹۵۵ء میں کراچی سے شائع کیا تھا۔اب اسی قلمی نسخے کا عکس بہ مقدمۂ مفصل محمد اقبال مجددی صاحب شائع ہوا ہے (دارالاسلام، لاہور و مکتبہ سراجیہ، موسیٰ زئی شریف، ۲۰۱۸ء، ۳۲+ ۱۹۴ صفحات)۔اس مجموعے میں کل ۱۳۷ رخطوط ہیں۔ان میں سے کم از کم ۹۷ رخطوط جامع (حاجی دوست محمد قندھاری) کے نام ہیں۔محمد اقبال مجددی صاحب نے اپنے مقدمے میں مکتوب نگار اور جامع کے حالات زندگی لکھے ہیں اور ان مکاتیب کی اہمیت پر الگ روشنی ڈالی ہے۔

بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ: پاکستانی پزشک ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ نے اپنا تخصص وفیات نگاری اور الواح مزارات نویسی میں پیدا کرلیا ہے۔چنانچہ اب تک اس موضوع پر ان کی حسب ذیل کتب شائع ہوچکی ہیں: خفتگان خاک گجرات (۱۹۹۶ء)، وفیات نام وران پاکستان (۲۰۰۶ء)، وفیات اہل قلم (۲۰۰۸ء)،تنہائیاں بولتی ہیں (۲۰۱۲ء)،وفیات مشاہیر کراچی (۲۰۱۶ء)۔اب اسی موضوع پر ان کی نئی کتاب بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ شائع ہوئی ہے (قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل، لاہور، ۲۰۱۸ء، ۴۷۲ صفحات، بڑی تقطیع، تین کالمی)۔اس میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تا ۱۴ اگست ۲۰۱۷ وفات پانے والے ۳۲۰۰ ممتاز پاکستانی اردو اہل قلم کے کوائف اور تاریخ ہائے وفات درج ہیں۔تمام اندراجات بہ ترتیب حروف تہجی مرتب ہوئے ہیں۔اس کتاب اور اس سے پیشتر بھی ڈاکٹر صاحب کی دیگر کتابوں کی خوبی یہ ہے کہ ہمیں پاکستانی دور کے محققین، اہل قلم اور دیگر ناموروں کی ولادت اور وفات کی تاریخیں دمِ دست مل جاتی ہیں اور دیگر مآخذ کھنگالنے سے بے نیاز کردیتی ہیں۔چونکہ تواریخ وفات پر تحقیق ہی مصنف کا تخصص ہے لہٰذا وہ صحیح تاریخ تک پہنچنے کی کوشش جاری رکھتے ہیں اور اپنی سابقہ مطبوعہ کتب میں درآنی والی غلطیوں کی آنےنے والی کتابوں میں درستی کرتے رہتے ہیں۔

مصنف نے ''صابر آفاقی'' اندراج میں راج ترنگنی (کذا) کو ان کے اردو تراجم میں شامل کیا ہے۔جہاں تک مجھے علم ہے صبر آفاقی نے راج ترنگینی (تاریخ کشمیر) کا فارسی متن تصحیح کیا تھا اور یہی ۱۹۷۴ء میں اسلام آباد سے شائع ہوا تھا۔ان کے قلم سے کبھی اردو ترجمہ نہیں ہوا۔

''محمد شفیع، پروفیسر مولوی'' اندراج میں مقالات مولوی محمد شفیع کو دو جلدوں میں بتایا گیا ہے۔ حالانکہ اس کی پانچ جلدیں بہت عرصہ ہوا شائع ہوچکی ہیں۔یادداشت ہای مولوی محمد شفیع نام سے الگ جلد بھی شائع ہوئی ہے۔اس اندراج میں مصنف نے پروفیسر مولوی محمد شفیع کی صرف تین کتابوں کا

ذکر کیا ہے جن میں دو مقالات کے مجموعے ہیں۔ یہ مولوی محمد شفیع کے شایان شان نہیں ہے۔ان کے دیگر کام اس سے زیادہ شاندار اور قابل ذکر ہیں، جیسے فارسی میں مطلع سعدین و مجمع بحرین، تذکرۂ میخانہ اور مکاتبات رشیدی کی تدوین۔

محمد اسماعیل ذبیح کے ایک شعری مجموعے کا نام شراب ظہور کتابت ہوا ہے (ص ۳۵۷)۔ قیاس کہتا ہے کہ شراب طہور ہوگا۔

بقول مصنف ''اس کتاب میں ہر اس شاعر، ادیب، مترجم کو شامل کیا ہے جس نے کسی ادبی موضوع پر اردو میں قلم اٹھایا'' (ص ۷) اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ اہم اہل قلم شامل ہونے سے رہ گئے ہیں جیسے ابوالکمال غلام رسول برق نوشاہی (وفات: ۲/اپریل ۱۹۸۵ء) جن کی کتاب نوشاہی شعرا تو مصنف کی فہرست مآخذ میں شامل ہے (ص ۴۶۶) لیکن وہ خود شامل نہیں ہیں۔ وہ اس کے علاوہ بھی کئی اردو کتب کے مصنف ہیں۔ ایک اور معروف محقق ڈاکٹر ظہور الدین احمد (وفات: ۱۲/ فروری ۲۰۱۴ء) کا نام بھی ہمیں نظر نہیں آتا جنھوں نے اردو زبان میں چھ جلدوں میں پاکستان میں فارسی ادب لکھی۔ وہ اس کے علاوہ بھی کچھ اردو کتب کے مصنف ہیں۔

بحر زخار (جلد سوم): وجیہ الدین اشرف کے فارسی تذکرے بحر زخار (تصنیف لگ بھگ: ۱۲۰۲ھ/ ۱۷۸۸ء) کی پہلی دو جلدیں پروفیسر ڈاکٹر آذرمیدخت صفوی کی ''تصحیح و تدوین'' کے ساتھ، مشترکہ طور پر مرکز تحقیقات فارسی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ اور مرکز تحقیقات فارسی رایزنی فرہنگی سفارت اسلامی ایران، دہلی نے بالترتیب ۲۰۱۲ء اور ۲۰۱۴ء میں شایع کی تھیں جن پر راقم السطور کا ایک تبصرہ پہلے شائع ہو چکا ہے (دیکھیے: عارف نوشاہی، ''تذکرۂ بحر زخار کی بعض غیر مستند روائتیں''، معارف، اعظم گڑھ، جون ۲۰۱۵ء، صفحات ۴۰۵-۴۱۲؛ اس مقالے کا فارسی ترجمہ ہو کر بھی شائع ہو چکا ہے، ملاحظہ ہو: شیوا امیر ہدایی، ''نگاہی بہ چند روایت غیر مستند در تذکرۂ بحر زخار''، آینہ پژوہش، قم، شمارہ ۱۷۰، سال بیست و نہم، شمارہ دوم خرداد و تیر ۱۳۹۷ شمسی، جون و جولائی ۲۰۱۸ء، ص ۱۳۳-۱۳۸)۔

اتفاق یہ ہوا کہ میرا مقالہ جون ۲۰۱۵ء میں چھپا اور میں فروری ۲۰۱۶ء میں علی گڑھ پہنچا تو ڈاکٹر صاحبہ کے نیاز بھی حاصل ہوئے۔ میرا مقالہ ڈاکٹر صاحبہ کی نظر سے گذر چکا تھا اور مجھے اندیشہ تھا ڈاکٹر صاحبہ ملیں گی تو مجھ سے کچھ شکر رنجی ہوگی، گلہ ہائے دوستانہ کریں گی۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت اور

مسرت ہوئی کہ انہوں نے اس بابت کچھ نہ جتایا اور بڑی گرم جوشی سے ملیں، چائے پلائی، اپنا ادارہ دکھایا اور میرے مطلب کی کچھ مطبوعات بھی عنایت کیں۔ خود میں نے ہی بحر زخار کا ذکر چھیڑا اور پوچھ لیا کہ اس کی تیسری جلد کب آئے گی؟ اس پر ڈاکٹر صاحبہ نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا کہ اب آپ نے (مقالے میں) کہہ دیا ہے کہ کتاب کے ساتھ اشاریہ ہونا چاہیے، لہٰذا اب ان شاءاللہ اشاریے سمیت کتاب شائع ہوگی۔ میں واپس پاکستان آ گیا اور تیسری جلد کی اشاعت کا انتظار کرنے لگا۔ علی گڑھی دوستوں سے جب بھی اس جلد کی اشاعت کے بارے میں استفسار کیا، یہی جواب ملا کہ ابھی اشاریہ بن رہا ہے اور کتاب شائع نہیں ہوئی! اب مئی ۲۰۱۸ء آن پہنچا۔ باتوں باتوں میں یہاں اپنے ایک محلّے دار کتاب دوست سے اس کتاب کا ذکر ہوا تو کہنے لگے ان کے پاس اس کی تیسری جلد موجود ہے۔ میں نے تجسس سے کہا دکھلایئے۔ کتاب وہ اسی وقت لے آئے۔ تیسری جلد ہی تھی جس پر اشاعت کی تاریخ ستمبر ۲۰۱۴ء درج ہے۔ لیکن کتاب کے ساتھ کوئی اشاریہ نہیں ہے۔ میرے دوست کو یہ کتاب اپریل ۲۰۱۷ء میں ہندوستان سے بھیجی گئی اور اس پر بطور تقسیم کارخانہ فرہنگ ایران دہلی کی مہر لگی ہوئی ہے۔ یہ جلد بھی پروفیسر ڈاکٹر آذرمیدخت صفوی کی تصحیح وتدوین سے مشترکہ طور پر مرکز تحقیقات فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور مرکز تحقیقات فارسی رایزنی فرہنگی سفارت اسلامی ایران دہلی نے شائع کی ہے (مقدمہ + ۳۷۷ صفحات)۔ امید رکھنی چاہیے کہ اس سلسلے کی چوتھی جلد اشاریوں پر مشتمل ہوگی، کیونکہ اتنی ضخیم کتاب، جس میں بلا مبالغہ افراد، مقامات اور کتب کے سینکڑوں نام داخل ہیں، ان تک رسائی ایک منضبط اشاریے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

بحر زخار کی تیسری جلد لجۂ ششم، ہفتم اور ہشتم پر مشتمل ہے:

لجۂ ششم: ایسے متقدم اور متاخر مشائخ کا تذکرہ جن کا سلسلۂ طریقت معلوم نہیں ہے اور اسے بہ ترتیب تہجی مرتب کیا گیا ہے (ص ۱-۲۷۱)؛ لجۂ ہفتم: اولیاے مجاذیب ہر سلسلہ (ص ۲۷۱-۳۵۰)؛ لجۂ ہشتم: احوال نساء صالحات (ص ۳۵۱-۳۷۷)؛ آخری دو "لجۂ" میں کوئی مقررہ اور متعینہ ترتیب نظر نہیں آتی۔

راقم السطور نے اپنے محولہ بالا مقالے میں مصنف کی بعض غیر مستند روایتوں کا جائزہ لیا تھا اور ساتھ ساتھ مرتب کی طرف سے تصحیح وتدوین کی کمزوریوں کی نشان دہی کی تھی اور کچھ تجاویز دی تھیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس جلد میں بھی وہی مسائل ہیں جو سابقہ جلدوں میں دیکھے گئے۔

مصنف نے رطب و یابس ہر طرح کی روایتیں جمع کردی ہیں اور اس میں کرامات اور خوارق عادات کے واقعات بھر دیے ہیں۔ سماجی حالات بہت کم ہیں۔ اس تذکرے میں مصنف کے معاصرین کے حالات ہی قابل اعتنا ہیں۔

مصنف نے جن اشخاص کو یہ کہہ کر لجۂ ششم میں رکھا ہے کہ ان کا سلسلۂ طریقت مجہول ہے، اس پر تحقیق ہونی چاہیے تھی، کیونکہ بعض مشائخ کا سلسلہ معلوم ہے اور دلچسپ امر یہ ہے کہ بعض کی نسبت طریقت خود مصنف نے لکھی ہے جیسے شاہ محمد پناہ قادری (ص ۹۱)، مولوی محمد عالم چشتی (ص ۱۸۹)۔

مصنف نے کئی تراجم ایک کتاب ''ارایک'' سے نقل کیے ہیں۔ راقم السطور اس نام کی کتاب سے بے خبر ہے۔ کتاب کی فاضل مرتب نے اپنے مقدمے میں بحر زخار کے جن مآخذ کا ذکر کیا ہے (صفحہ ''غ'') ان میں یہ نام شامل نہیں ہے۔ بہتر ہوتا وہ اس کتاب کے بارے میں کچھ کہتیں۔

مصنف نے ایک شخص کا دوبارہ ذکر کیا ہے اور اس تکرار کی طرف وہ متوجہ نہیں ہوئے۔ ص ۸۷ پر ''شیخ بوذر بوزانجانی'' اور ص ۲۴۸ پر ''شیخ نوزر بوزنجانی'' ایک ہی شخص ہے اور دونوں کے حالات میں یکساں واقعہ درج ہوا ہے۔ درست نام ابوذر بوزجانی ہے۔ وہ جہاں دفن ہیں اس جگہ کا نام بوزجان ہے اور یہ ایران کے صوبہ خراسان کے شہر تربت جام کے مضافات میں واقع ہے۔ راقم السطور ۲۰۱۷ء میں ان کا مزار دیکھ چکا ہے۔

بعض نام کتاب میں تسامح سے غلط درج ہوئے ہیں یا کتابت میں غلطی ہے، جیسے:

بہاءالدین عمر ابروہی (ص ۸۹) درست نام: ابردہی، ابردہ خراسان کی ایک قدیم بستی اب بھی موجود ہے؛

صاین الدین علی برکہ اصفہانی (ص ۱۵۴) درست نام: ترکہ اصفہانی ہے؛

شیخ عبداللہ تلبنی (ص ۱۷۲) درست نام: تلنبی یعنی نون کی باء پر تقدیم ہے، اس کی نسبت تلنبہ سے ہے۔ یہ مقام اب بھی ملتان کے پاس موجود ہے؛

فخرالدین نورستانی (ص ۲۰۴)، درست نام: لورستانی، ان کا ذکر رشحات عین الحیات میں ہے۔

معارف کی ڈاک

خداداد منزل، موضع سیوری،
پوسٹ منجھول، بیگوسرائے، بہار
۲۰۱۸/۵/۲۳ء

مقالات شبلی ہشتم میں طباعتی غلطیاں

مکرمی! سلام مسنون

معارف کے زرسالانہ کی ادائیگی کے ساتھ ہی منگائی گئیں تین کتابوں ''مقدمہ سیرۃ النبیؐ، مقالات شبلی جلد ششم و ہشتم'' میں مطالعے کا آغاز موخرالذکر حصے سے کیا، جس کا طبع جدید ۲۰۱۰ء ہے۔ میں جب اس کے صفحہ ۵۳ بعنوان ''اشاعت کتب قدیمہ کے دوسرے پیراگراف کے ایک جز اوراس وجہ سے گویا ان کا وجود.... دونوں برابر ہے'' پر پہنچا تو ایک طرح کی خلجانی کیفیت سے دوچار ہو گیا اور خود سے اسے پر کرنا ناموزوں سمجھ میں آیا۔ اس لیے اس امر کی طرف اشارہ کریں گے تاکہ صحیح اندراج سے واقفیت ہو سکے۔ یہی کیفیت صفحہ ۱۵۵ والی عبارت میں در آنے والی خالی جگہوں کے سلسلے میں ہے۔

علاوہ ازیں املائی اضطراب اور طباعتی اغلاط کا بھی احساس ہوا، املا کے سلسلے میں صفحہ ۱۰۲ پر فارسی سپاس نامے کا یہ حصہ پیش خدمت ہے:

''.....ومقالات ایشاں کہ در مجلہ الندوہ ہر ماہی اشاعت می پزیرد ہے''۔

اردو میں می پزیرد کی کتابت تو ''می پذیرد'' ہے جبکہ کتاب کے نشان زدہ حصے میں ''می پزیرد'' ہے۔ اگر فارسی میں ایسا ہی ہے تو اس بابت بھی رہنمائی کریں گے، نیز کروڑ کے املا کے تعلق سے بھی خامہ فرسائی کریں گے کیونکہ پیش نظر کتاب میں (کرور) پڑھنے کو ملتا ہے۔

صفحہ ۱۷ پر ''آمادگی'' کے بدلے، ''آمدگی'' اور صفحہ ۹۸ پر ''استحکام'' کی جگہ ''استحام'' کا چھپ جانا طباعتی اغلاط کے ذیل میں ہے۔

''مسئلہ آرمینیا'' کے زیر عنوان ایک انٹری کے پہلے پیراگراف صفحہ ۱۷۸ پر آنے والے ایک لفظ ''رپوٹر'' کے مفہوم کے بارے میں بھی زحمت گوارہ کریں گے۔ اپنی علمی کم مائیگی و بے بضاعتی کے سبب خود سے اس کے افہام و تفہیم کے مرحلے سے گزرنے سے قاصر ہوں۔

کیا ہی اچھا ہو کہ آیندہ اشاعت میں کتاب میں آنے والے انگریزی نام کو اردو کے ساتھ انگریزی میں بھی لکھ دیا جائے تاکہ علم میں اضافہ بھی ہو جائے اور صحیح تلفظ کا پتہ بھی چل جائے۔ مثلاً صفحہ ۱۷۷ پر در آنے والے دو نام ''دراک فیلر'' اور ''کارینگی'' وغیرہ۔ اسی طرح اگر عربی نام کو بھی اعراب سے مزین کر دیا جائے تو بہ آسانی صہبائے مطالعہ دو آتشہ ہو جائے۔

چونکہ آپ علمی جزیرے میں رہتے ہیں، اس لیے آپ سے یہ درخواست کر رہا ہوں کیونکہ یہ آپ کے لیے قدرے آسان ہے اور ''علمی گروہ'' سے متعلق ہونے کے سبب آپ کا فرض بھی ہے اور ایک طرح کا قرض بھی۔ اپنی تہی دامنی اور ایک عجیب طرح کے ماحول میں بود و باش اختیار کرنے پر مجبور ہو جانے کے باعث اپنی دلی کیفیات، قلبی واردات اور ذہنی جراحات کے اظہار کے لیے اس کتاب میں پڑھے ہوئے درج ذیل شعر کا سہارا لیتا ہوں:

صوفیاں مستند و زاہد بے خبر   از کہ پرسم من رہ میخانہ را

بہرکیف اس کتاب کے بارے میں سوائے اس کے کیا کہہ سکتا ہوں، اپنی علمی بساط کے مطابق اس سے مستفید ہونے کی کوشش کی اور اس کے ''مذہبی، تعلیمی، سیاسی اور متفرق'' کے عناوین کے تحت اندراجات سے بہرہ ور ہوا نیز سمجھ سے ماورا حصے کی تفہیم اور توضیح و تشریح کے لیے آپ سے راجع ہوں۔

سید الطائفہ نے جس انگریزی ترجمے کے مسودے کی گم گشدگی پر اظہار تاسف کیا ہے وہ واقعتاً بہت افسوس ناک و اندوہ ناک واقعہ ہے۔ اسے مرور ایام اور امتداد زمانہ کے علاوہ اور کیا کہا جائے:

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں   تو ہائے گل پکارے میں چلاؤں ہائے دل

مقالات شبلی حصہ ششم میں مصنف ''علامہ سید سلیمان ندوی'' فہم سے بالاتر ہے، اس لیے اس بابت بھی رہنمائی کریں گے کیونکہ تشنہ لب کو تو کوثر و تسنیم کو طلب کرنا ہی ہوگا، اس لیے کہ ''و للناس فیما یعشقون مذاھب'' کی صدائے حق کی بازگشت سنائی دے رہی ہے اور اس سے بھی کسی مجال انکار ہو کہ:

محبت است کہ دل را نمی دہد آرام   وگر نہ کیست کہ آسودگی نمی خواہد

معاف کیجیے خط طویل ہو گیا لیکن ؎ لذیذ بود حقیقت دراز تر گفتم

خدا آپ کو صحیح سلامت رکھے تاکہ آپ مسرور و بامراد رہیں۔ (آمین ثم آمین)   فقط نیاز کیش

جناب راجو خان

وفیات

مولانا محمد ایوب اصلاحی

اشتیاق احمد ظلی

مدرسۃ الاصلاح کے نامور استاد، معروف عالم دین اور صاحب قلم مولانا محمد ایوب اصلاحی صاحب نے اس عالمِ آب وگل میں ۹۰ سال گذارنے کے بعد ۳۰/ جون دو بجے دن دہلی کے سنجیونی اسپتال میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ وہ ایک عرصہ سے علیل تھے اور علاج کے لیے اپنے بیٹے ابو طلحہ اصلاحی کے ساتھ دہلی میں مقیم تھے۔ ان کے انتقال سے مدرسہ کا ایک روشن عہد اپنے اختتام کو پہنچا۔ وہ اس کے دورِ زریں کی ان چند آخری یادگاروں میں تھے جنھوں نے اپنی زندگی مادر درس گاہ کے لیے وقف کردی تھی۔ ان کی ذات میں ان افکار، اقدار اور صفات کا بہترین پرتو نظر آتا تھا جن کے لیے یہ درس گاہ جانی اور پہچانی جاتی رہی ہے اور جو اس کا نشانِ امتیاز رہی ہیں۔ وہ بہترین استاد اور مربی تھے۔ ان کی شخصیت دین داری، شرافت، وضع داری، تواضع، سادگی، قناعت، توکل اور شگفتہ مزاجی کا ایک نادر مجموعہ تھی۔ وقار اور دل نوازی کا ایسا قران السعدین کم دیکھنے کو ملتا ہے۔

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

۱۹۲۸ء میں اعظم گڑھ کے مردم خیز گاؤں کونرہ گہنی میں آنکھ کھولی۔ ۱۹۴۰ء میں مدرسۃ الاصلاح میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۱ء میں وہاں سے فارغ ہوئے۔ والدین کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ انہوں نے مادر درس گاہ ہی کو آغوش مادر سمجھا اور اپنی پوری زندگی اور تمام تر صلاحیتیں اس پر نثار کردیں۔ کچھ دن مکتب اور دفتر میں گذارنے کے بعد چھوٹے بچوں کی اتالیقی کی مشکل ذمہ داری سنبھالی اور ایک مدت تک اسے بڑے سلیقہ اور دل سوزی سے انجام دیا۔ ۱۹۶۵ء کے آس پاس شعبہ تدریس میں منتقل ہوگئے جو ان کا اصل میدانِ کار تھا۔ وہ بنیادی طور پر ایک معلم تھے۔ تعلیم وتدریس اور طلبہ کی علمی اور فکری تربیت اور ذہن سازی کے میدان میں ان کے جوہر خوب کھلے۔ دراصل استاد اور مربی ایک ہی سکّے کے دو رخ ہیں۔ اچھا استاد مربی بھی ہوتا ہے اور وہ طلبہ کی تربیت سے صرف نظر نہیں کرسکتا۔ وہ طلبہ کو صرف تعلیم ہی نہیں دیتا بلکہ ان کی تربیت اور ذہن سازی بھی کرتا ہے اور ایک اچھے انسان اور شہری کی حیثیت سے مستقبل کی ذمہ داریوں کے لیے ان کو تیار بھی کرتا ہے۔ استاد کی ذمہ داری

صرف اتنی نہیں ہوتی کہ جو علم اس نے اپنے اساتذہ سے اکتساب کیا اور وہ علم و دانش جو اس نے اپنی ذاتی محنت، مطالعہ اور تحقیق سے حاصل کیا اسے اپنے طلبہ تک منتقل کردے بلکہ اس کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ان کے اندر حصولِ علم کا شوق پیدا کرے، اس کے لیے محنت کرنے کا جذبہ بیدار کرے، ان کے اندر مسائل پر معروضی نقطہ نظر سے غور و فکر کا ملکہ پیدا کرے، ان کے اچھے کاموں پر ان کی حوصلہ افزائی کرے اور غلطیوں کی حکمت اور دانائی سے اصلاح کرے۔ مدرسۃ الاصلاح میں ابتداء ہی سے طلبہ کو اساتذہ کو تنگ کرنے کی حد تک سوال کرنے اور بحث و مباحثہ کی آزادی حاصل رہی ہے۔ مولانا محمد ایوب اصلاحی صاحب کا شمار ان اساتذہ میں ہوتا تھا جو طلبہ کے سوال اور بحث و مباحثہ سے خوش ہوتے تھے اور ایسے طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے تھے جو کھلے ذہن سے مسائل پر غور کرتے تھے اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے یا استاد جو بتا رہا ہے اس سے انہیں اتفاق نہ ہو تو سوال کرنے سے نہ گھبرائے۔ جب طالب علم تعلیم کے بعد میدانِ عمل میں داخل ہوتا ہے تو غور و فکر کی یہی صلاحیت اس کے کام آتی ہے۔

مولانا محمد ایوب اصلاحی صاحب ایک مثالی استاد تھے۔ جو مضامین بھی وہ پڑھاتے تھے ان پر ان کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ مطالعہ نہایت وسیع تھا اور کتب بینی کا مشغلہ آخر تک جاری رہا۔ بیماری میں بھی ان کے سرہانے کتابوں کا ڈھیر رہتا اور جب بھی طبیعت کسی قدر بہتر ہوتی تو مطالعہ کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ زبان و بیان پر گہری دست رس کی وجہ سے اپنی بات موثر انداز میں طلبہ تک منتقل کرنے پر پوری طرح قادر تھے۔ امثال آصف الحکیم اور کلیلہ و دمنہ پڑھاتے تو ان امور کی پاس داری کے ساتھ ساتھ جن پر مدرسہ کے منہاجِ تدریس کی اساس استوار ہے، زیر درس حکایت کو اس طرح پڑھاتے کہ آنکھوں کے سامنے ان قصوں میں بیان کیے جانے والے مناظر کی تصویر سی کھنچ جاتی۔ قرآن مجید کے درس میں خاص طور سے بہت اہتمام کرتے۔ گذشتہ پچاس سال کے عرصہ میں جن اساتذہ نے طلبہ کے دل و دماغ میں قرآن پر تدبر کے اس منہاج اور تصور کی آبیاری کی ہے جو مولانا حمید الدین فراہیؒ کے انقلابی فکر سے ماخوذ و مستفاد ہے ان میں مولانا کا نام نامی سرِ فہرست ہے۔ انہوں نے ایک طویل مدت تک طلبہ کو قرآن مجید پڑھایا۔ انہیں اس سلسلہ میں بڑا اہتمام تھا۔ وہ بڑی دلچسپی اور ذوق و شوق سے نئے اساتذہ کی رہنمائی بھی کرتے کہ یہ کام کس طرح بہتر طور پر انجام دیا جائے۔

اردو زبان و ادب کا بہت اچھا ذوق تھا۔ کثرت مطالعہ نے اس کو اور بھی صیقل کردیا تھا۔ مدرسۃ الاصلاح شروع ہی سے دبستان شبلی کا ایک حصہ رہا ہے۔ یہاں کے فارغین کے فکر و نظر کو جہاں فکر فراہی سے جلا ملتی رہی ہے وہیں ان کے اندر زبان و ادب کا ذوق دبستان شبلی کا مرہون منت رہا ہے۔ مولانا بڑی شستہ، پاکیزہ اور فصیح

زبان لکھتے اور بولتے تھے۔اگر کوئی غیر معیاری زبان لکھتا یا بولتا تو تنبیہ کرتے۔ان کا تحریری سرمایہ کمیت میں بہت زیادہ تونہیں ہے لیکن جو ہے بہت خوب ہے۔ان کی علمی اور ادبی نگارشات کا مجموعہ ''متاع قلم'' کے نام سے شائع ہوکر مقبول ہو چکا ہے۔ابھی جلد ہی اس کا دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آیا ہے۔یہ مجموعہ ۴۶۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی اشاعت معیاری ہے۔ ان کی ابتدائی تحریریں ماہنامہ ''دوام'' ٹانڈہ میں شائع ہوئیں جو سید عبدالباری شبنم سبحانی کی ادارت میں نکلتا تھا۔عربی کے معیاری جرائد میں شائع ہونے والے کئی علمی اور تحقیقی مضامین کے عمدہ، رواں اور سلیس ترجمے ''معارف'' میں شائع ہوئے۔۱۹۸۸ء سے طلبہ کا سالانہ مجلہ شروع ہوا تو انجمن طلبہ کے سرپرست کی حیثیت سے ''سخنہائے گفتنی'' کے عنوان سے ان کی تحریریں اس مجلہ کی زینت بنتی رہیں۔اس عنوان کے تحت انہوں نے بعض نہایت خوبصورت اور دل کو چھو لینے والی تحریریں سپرد قلم کیں۔ ۲۰۰۰ء میں مدرسہ سے سہ ماہی ''نظام القرآن'' کی اشاعت شروع ہوئی تو اس کے مدیر کی حیثیت سے ''شذرات'' لکھتے رہے۔یہ سلسلہ ۲۰۱۱ء میں ان کے ریٹائرمنٹ تک چلتا رہا۔اگرچہ بحیثیت مدیر رسالہ کے سرِورق پر آخر تک ان کا نام چھپتا رہا لیکن ان کے قلم سے ''شذرات'' کا سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔یہ شذرات مدرسۃ الاصلاح، اس کے امتیازات، اس کی تاریخ، اس کی فکری اساس اور وقت کے اہم ملی اور ملکی مسائل پر نہایت اعلیٰ درجہ کی تحریروں پر مشتمل ہیں۔کئی خطبات ہیں جو مختلف علمی مجالس کے کلیدی خطبہ یا صدارتی خطبہ کے طور پر پیش کیے گئے۔چند وفیات ہیں۔منظوم تخلیقات گو کم ہیں لیکن ان کے اندر چھپے ہوئے شاعر کی چغلی کھاتی ہیں۔ اگر انہوں نے اس طرف توجہ دی ہوتی تو اچھے شاعر ہوتے۔اس قیمتی مجموعہ میں شامل یہ نگارشات نہ صرف ادبی حیثیت سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں بلکہ ان کی فکری سطح بھی بلند ہے اور ان سے ان کے وسیع مطالعہ اور مسائل پر گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ان میں خالص علمی مسائل بھی شامل ہیں جو زیادہ تر قرآن مجید سے متعلق ہیں۔

مدرسۃ الاصلاح سے ان کا عملی تعلق ستر سال کے طویل عرصہ پر محیط ہے۔۱۹۴۰ء میں اس سے وابستہ ہوئے اور اپنی جملہ صلاحیتوں کو اس کی خدمت میں صرف کر دیا۔۲۰۱۱ء میں اس سے سبک دوش کیے جانے کے بعد ہی یہ سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ جہاں تک قلبی تعلق کا معاملہ ہے تو اس میں وہی گرم جوشی اور سرخوشی آخر تک قائم رہی۔بیماری کے سخت مراحل میں بھی اگر مادر درس گاہ کا ذکر آجاتا یا وہاں سے کوئی آجاتا تو آنکھوں میں چمک آجاتی اور چہرہ کھل اٹھتا۔اخلاق و عادات ایسی کہ مثال دی جائے۔جس محفل میں بیٹھ جائیں کردار اور گفتار کی خوشبو سے مشام جان معطر ہو جائے۔عسر اور یسر دونوں سے گذرے۔ایک مدت تک حالات کی ناسازگاری اور شدت سے نبرد آزما رہے۔اس دور میں دل کی دنیا پر جو بھی گذرتی رہی ہو زبان پر حرفِ شکایت کبھی نہیں آیا

اور قریب ترین لوگوں کو بھی اس کی بھنک نہیں لگنے پائی۔ چہرے پر شکن تو کبھی شاید ان کے اہل خانہ نے بھی نہ دیکھی ہوگی۔ ان سخت حالات میں اپنی عزت نفس کی ایسی حفاظت کی کہ اس پر رشک کیا جائے۔ ان حالات میں بھی آنے والوں کا جتنی کشادہ جبینی سے استقبال کرتے اور مہمان نوازی کے آداب جس ذوق وشوق سے ادا کرتے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ چہرے بشرے سے طمانیت اور مسرت کا اظہار ہوتا۔ چائے ہمیشہ اپنے ہاتھ سے بناتے، اس میں اخلاص کی ایسی چاشنی رہتی کہ پینے والا محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ایسی لذت شاید ہی کہیں اور ملی ہو۔ جب تک مولانا اختر احسن صاحب حیات رہے مدرسہ کے مہمان ان کے مہمان ہوتے تھے اور چائے سے ان کی تواضع وہی کرتے۔ ان کے بعد یہ ذمہ داری مدتوں مولانا محمد ایوب اصلاحی صاحب نے سنبھالی۔ اس طرح گھر کی بات گھر ہی میں رہی۔

اللہ تعالیٰ کی نوازشیں بھی ان کے اوپر بے حساب رہیں۔ زندگی کے پہلے مرحلہ میں صبر کا دامن جس مضبوطی سے تھامے رہے بعد میں اسی طرح سراپا شکر وسپاس رہے۔ ایک عام آدمی کو ان دونوں ہی مرحلوں میں ان کے انداز و اطوار میں کوئی معمولی سا فرق نظر نہیں آیا۔ اہلیہ تلمیذِ فراہی مولانا اختر احسن صاحب کی صاحبزادی تھیں، اللہ تعالیٰ نے چار لائق، صالح اور جاں نثار بیٹے اور ایک بیٹی عطا کیے۔ ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی، ڈاکٹر محمد راشد اصلاحی، ابوطلحہ اصلاحی، ابوہریرہ اصلاحی اور بیٹی نیرہ اختر۔ ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی معروف محقق اور اہل قلم ہیں اور معارف کے قارئین ان سے واقف ہیں۔ ان کی طویل بیماری کے دوران ان کی اولاد اور احفاد بالخصوص ابوطلحہ اصلاحی اور ان کے اہل خانہ نے خدمت اور تیمارداری کا حق ادا کردیا۔ خود مولانا جس صبر اور استقامت سے اس سخت مرحلے سے گذرے اس کی مثال بھی کم ہی ملے گی۔ طویل بیماری کے دوران سخت تکلیف اور اذیت سے گذرے لیکن کبھی کوئی شکوہ، کوئی حرف شکایت زبان پر نہ آیا۔ کبھی بے صبری اور جھنجھلاہٹ کا معمولی سے معمولی مظاہرہ نہیں ہوا۔ نیم بے ہوشی کے عالم میں بھی جس سے بار بار واسطہ پڑا، کبھی کوئی نامناسب یا ناملائم لفظ زبان سے نہیں نکلا۔ یہ ثمرہ تھا زندگی بھر کی ریاضت کا اور اس یقین کا کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔

راقم حروف کے لیے ذاتی طور پر یہ ایک بڑا سانحہ ہے۔ ان کی طرف سے عنایت وشفقت اور اس طرف سے محبت وعقیدت کا یہ تعلق نصف صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے۔ ایسے لوگ اب کہاں ملیں گے۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ وادخلہ فسیح جناتک۔**

ادبیات

حمد باری تعالیٰ

پروفیسر مقصود احمد مقصود*

بندۂ عاجز و ناتواں ہوں ترا ، مجھ میں جوشِ عمل ، شوقِ طاعت کہاں
آزمائش نہ کر بس یوں ہی بخش دے دل میں صبر و تحمل کی طاقت کہاں
تو رگِ جاں سے بھی ہے قریب بالیقیں پھر بھی افسوس تجھ کو نہ میں پا سکا
سچ ہے میری طلب میں صداقت کہاں، اولیا کی طرح مجھ میں چاہت کہاں
ہوں پریشاں سمجھ میں نہیں آتا کچھ حالِ ابتر بیاں کس سے جا کر کروں
جسم مصروفِ طاعت ہے میرا مگر دل کو احساسِ قرب و رفاقت کہاں
میں نے مانا سراپا گنہگار ہوں پھر بھی جاؤں کہاں تیرا در چھوڑ کر
اور اس کے سوا اس جہاں میں بھلا کوئی جائے پناہ و سکونت کہاں
میری توبہ جو فوراً ہی لوٹ آئی تو آخر اس میں تعجب کی کیا بات ہے
جیسی دربارِ عالی میں مطلوب ہے قلبِ عاصی میں ویسی ندامت کہاں
تیرا ذکرِ مقدس ہے دل کا سکوں ، دافعِ رنج و کلفت تری ذات ہے
یاد سے تیری بیگانہ جو بھی ہوا اس کو دنیا میں تسکین و راحت کہاں
تیری رحمت کی یوں تو کوئی حد نہیں اس حقیقت کا شاہد ہے قرآں ترا
منکرِ عظمتِ مصطفیٰؐ پہ مگر سایۂ ابرِ غفران و رحمت کہاں
بندگانِ خدا سے ہے نفرت جنھیں ان کا زہد اور تقویٰ ہے کس کام کا
ان کی قسمت میں رب کی عنایت کہاں، واسطے ان کے وصل و ولایت کہاں
وقف کر دیتے ہیں زندگی اپنی جو اپنے رب کی عبادت کے ہی واسطے
ان کے قلبِ مطہر میں مقصودؔ پھر حبِ جاہ و حشم ، حرصِ دولت کہاں

* سابق صدر، شعبۂ فارسی، عربی و اردو، ایم، ایس یونیورسٹی آف بڑودہ، بڑودہ ۳۹۰۰۰۲، گجرات۔

غزلیں

جناب وارث ریاضی*

جنوں کیا ہے؟ محبت کیا ؟ وفا کیا؟ | بہ جز آہ و فغاں ، غم کے سوا کیا؟
رہِ اخلاص میں راہِ وفا میں | کو نا آشنا کیا؟ آشنا کیا؟
شعورِ زندگی جس میں نہیں ہے | وہ کیا جانے خودی کیا ہے؟ خدا کیا؟
نہیں جب امتیازِ دین و دنیا | تو کیسی پارسائی؟ پارسا کیا؟
کبھی مایوس ہوتا ہے جہاں میں | کسی بھی حال میں مردِ خدا کیا؟
کبھی زنداں ، کبھی دار و رسن ہے | ہماری بے گناہی کی سزا کیا؟
کہاں پہنچا ہجوم بے خودی میں | تجھے اے وحشتِ دل ہے پتا کیا؟
غزل چھیڑو رَباب غم پہ وارثؔ! | خوشی کے ساز پر نغمہ سرا کیا؟

جناب محمد طارق غازی**

سیدھے سبھاؤ والوں میں اہل غضب ملے | ویرانۂ نگاہ میں کرگس کُڈھب ملے
آنکھوں میں قہر، ہونٹوں پہ شکوہ، زباں میں زہر | تحفے اسی طرح کے ملے ان سے جب ملے
اوڑھے کلاہ بے حسی روتی ہے ساری قوم | تہذیب کے مریض سبھی جاں بلب ملے
مانگے سے گر ملا تو وہ شعلہ بھی ہے شرار | عزت وہی ہے دہر میں جو بے طلب ملے
گرداب بیم کی طرح رقصاں ہجوم غم | شہروں میں نالہ کش فقط اہل طرب ملے
لفظ و بیاں سمیٹ کے واپس چلو، میاں | ان کے ادب نگر میں بہت بے ادب ملے
ماتم کا شور اردو کے اخباروں میں سنا | اے کاش سرخیوں میں بھی اس کا سبب ملے
دنیا کا درد چھوڑ کے دنیا کے واسطے | محدود اپنی ذات میں عالی نسب ملے
احسان التفات سے شرمندہ بھی کیا | ملتے ہیں یوں تو روز مگر دل سے کب ملے
ذروں کے مدرسہ میں نصاب حرم کی گونج | سن لے جو کائنات میں انساں تو رب ملے

---

* کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، پوسٹ بسوریا، وایا لوریا، مغربی چمپارن، بہار ۸۴۵۴۵۳۔ Mob:8986132474

** ڈائریکٹر امم سٹڈیز ہاؤس، ٹورانٹو، کینڈا۔

رسید کتب موصولہ

اتحاد اہمیت وضرورت: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی، الحسنات بک ڈپو، دہلی۔

قیمت: ۵۰/روپے

الموجز فی اصول التفسیر: ڈاکٹر محمد فرمان ندوی، مکتبہ الشباب العلمیہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

قیمت درج نہیں

امام مودودیؒ، ایک مصلح، ایک مفکر، ایک مجدد: علامہ یوسف القرضاوی، مترجم ابوالاعلیٰ سید سبحانی، البلاغ پبلی کیشنز، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر اوکھلا، نئی دہلی۔

قیمت: ۱۰۰/روپے

انسانی حقوق، قرآن، حدیث اور سیرت نبویؐ کی روشنی میں: مولانا سید محمد واضح رشید ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ۔

قیمت: ۱۰۰/روپے

تفہیم وتعبیر: پروفیسر خالد محمود، B-۲۰، پاکٹ A-9 ڈی ڈی اے فلیٹ، جسولہ وہار، نئی دہلی۔

قیمت: ۲۳۸/روپے

جرنل ۳۰ خصوصی شمارہ: ایڈیٹر سنجیو متل، رامپور رضا لائبریری، رامپور۔

قیمت: ۵۰۰/روپے

جہاد اور روح جہاد (کتاب وسنت کی روشنی میں): محمد عنایت اللہ اسعد سبحانی، البلاغ پبلی کیشنز، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر اوکھلا، نئی دہلی۔

قیمت: ۳۰۰/روپے

سیرت نبویؐ کا انقلابی پیغام: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی، الحسنات بک ڈپو، دہلی۔

قیمت: ۵۰/روپے

مثالی سیرت: عبدالرحمٰن عزّام، مترجم مولانا اسعد قاسمی، دارالکتاب، دیوبند۔

قیمت: ۱۰۰/روپے

مناظر عاشق ہرگانوی بنام نذیر فتح پوری: نذیر فتح پوری، امرین بک ایجنسی، احمد آباد۔

قیمت: ۱۵۰/روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ	
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-
علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی	
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	300/-
الغزالی	200/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	220/-
شعر العجم اول	300/-
شعر العجم دوم	150/-
شعر العجم سوم	125/-
شعر العجم چہارم	200/-
شعر العجم پنجم	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	
الکلام	250/-
علم الکلام	200/-

کتاب		قیمت
موازنہ انیس و دبیر		250/-
اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر		100/-
سفر نامہ روم و مصر و شام		200/-
کلیات شبلی (اردو)		220/-
کلیات شبلی (فارسی)		45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی)		170/-
مرتبہ: سید سلیمان ندوی		
مقالات شبلی دوم (ادبی)	〃	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	〃	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	〃	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	〃	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی)	〃	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	〃	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری)	〃	110/-
خطبات شبلی	مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
انتخابات شبلی	مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول	〃	150/-
مکاتیب شبلی دوم	〃	190/-
اسلام اور مستشرقین چہارم (علامہ شبلی کے مقالات)		250/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
August 2018 Vol - 202 (2)
RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP-43/019
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

شبلی صدی مطبوعات

۱۔	سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔	شبلی کی آپ بیتی	ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔	دارالمصنّفین کے سو سال	کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔	شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔	شذرات سرسید	پروفیسر اصغر عباس	500/-
۶۔	محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس	ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۷۔	حیات شبلی	علامہ سید سلیمان ندوی	650/-
۸۔	مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں	اشتیاق احمد ظلی	250/-
۹۔	حیات سعدی	تصنیف: خواجہ الطاف حسین حالی	400/-
۱۰۔	شبلی شناسی کے اولین نقوش	مرتبہ: ظفر احمد صدیقی	600/-
۱۱۔	شبلی ایک دبستان	آفتاب احمد صدیقی	250/-
۱۲۔	متاع رفتگاں	شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۳۔	یہود اور قرآن مجید	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	150/-
۱۴۔	رسائل شبلی	علامہ شبلی نعمانی	300/-
۱۵۔	اردو ترجمہ مکاتیب شبلی	ڈاکٹر خالد ندیم	110/-
۱۶۔	تاریخ بدء الاسلام (علامہ شبلی نعمانی)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	300/-
۱۷۔	مراسلات شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	150/-
۱۸۔	مطالعات شبلی	مرتبہ: اشتیاق احمد ظلی	550/-
۱۹۔	الفاروق (ہندی)	علامہ شبلی نعمانی	450/-
۲۰۔	الندوہ (جلد ۱۔۹)		4735/-